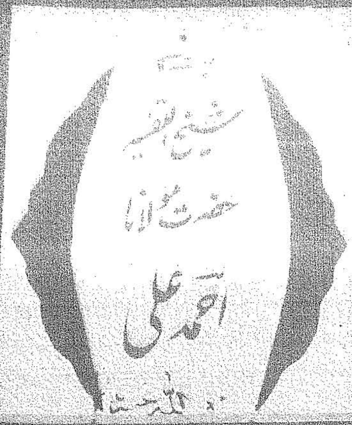
ہفت روزہ

خدام الدین

لاہور پاکستان



حق پرستوں کا نصب العین

حضور سراپا نور فداہ ابی و امی کے تابع ہونے کے لحاظ سے مسلمانوں کا نصب العینِ زندگی یہی ہوگا کہ معاندینِ حق سے دبنے نہ پائیں اشاعتِ حق سے جی نہ چرائیں، اپنے اپنے فرائضِ عبودیت میں کم ہمتی نہ دکھائیں، حصولِ قربِ الٰہی میں دن دونی رات چوگنی ترقی کرتے جائیں

(حضرت لاہوری قدس سرہٗ)

۶ ربیع الاول ۹۷ھ

۲۵ فروری ۷۷ء

احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

قیامت کے دن پہلا سوال

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَوَّلَ مَا یُسْاَلُ الْعَبْدُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ مِنَ النَّعِیْمِ اَنْ یُّقَالَ اَلَمْ نُصِحَّ جِسْمَكَ وَنُرْوِكَ مِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سب سے پہلی چیز جو اللہ کی نعمتوں میں سے پوچھی جائے گی وہ یہ ہوگی کہ بندہ سے کہا جائے گا کہ ہم نے تجھ کو تندرست نہیں رکھا؟ کیا ہم نے تجھ کو ٹھنڈا پانی نہیں پلایا؟

اس حدیث میں سمجھایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں جو سامان عیش دیا ہے اس کے ذرے ذرے کا حساب ہوگا۔ گویا سورۃ التکاثر کی آخری آیت ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ کی تفسیر ہے۔

اس حدیث پاک میں دو باتیں سمجھائی ہیں۔

اول یہ کہ جس نعمت کی بابت سوال ہوگا اس کی حد کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ انسان کس قدر کفایت پر بس کرے اور اس بات کی کوشش کرے کہ جو کچھ ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی میں صرف کرے ورنہ حساب سے پیچھا چھڑانا مشکل ہو جائے گا۔

۱۔ نعیم اس کو نہ سمجھنا چاہیے کہ فراغت اور آرام سے بسر کرنے کا بہت سارا سامان میسر ہو۔ صحت جسمانی اور ٹھنڈا پانی پہلی دو نعمتیں ہیں جن کی بابت سوال ہوگا کہ تم نے ان نعمتوں کا کیا حق ادا کیا۔ اس وقت بجز جواب نہ بن پڑے گا۔ عموماً صحت جسمانی کھیل کود [illegible] عیش و عشرت، کمزوروں کو ڈرانے، دھمکانے [illegible] مفلسوں کو چڑانے، لوٹ مار، دغا فریب سے پیسہ کمانے میں صرف کی جاتی ہے۔ اگر کوئی یہ جواب دے گا کہ میں نے تیری دی ہوئی صحت سے خوب گلچھرے اڑائے، خود دولت کمائی، [illegible] حاجتمندوں سے چھین چھین اپنا گھر بھرا اور وہ پہلے ہی کمزور تھے تو اس سے کہا جائے گا کہ کیا ہمارے رسولوں نے اور ہماری کتابوں نے تمہیں یہی کام لینا سکھایا تھا۔ اس وقت سوا بغلیں جھانکنے کے اور کچھ نہ بن پڑے گا۔

۲۔ ٹھنڈا پانی پیاس کے وقت اتنی بڑی نعمت ہے کہ جس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ جنگل، بیابان میں انسان پیاسا ہو تو وہاں قارون کی دولت بھی بے حقیقت ہے وہاں ٹھنڈا پانی ملے تو جان بچتی ہے ورنہ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنے کے سوا اور کچھ نہیں۔ اگر جیب میں ہزاروں کے نوٹ اور بنک میں لاکھوں روپیہ جمع ہو لیکن پانی وقت پر نلکہ میں نہ آئے تو سوا پریشانی اور غصہ کے اندر بُرا بھلا بکنے کے اور کچھ نہیں سوجھتا۔ اگر زمین کا پانی خشک ہو جائے اور بارش رک جائے تو چھٹی کا دودھ یاد آجائے، لینے کے دینے پڑ جائیں۔

قیامت کے دن ان نعمتوں کی بابت سوال ہوگا۔ اور آئیں بائیں شائیں سے کام نہ چلے گا۔ ان کا جواب شافی دینا ہوگا۔ کہ پانی پی کر ہم نے کیا کام کیا اور اس کا درست جواب نہ بن پڑا تو سیدھا جہنم میں جانا ہوگا۔ یہ باتیں ہنسی کی نہیں ہیں حقیقت پر مبنی ہیں۔ اگر مرنا برحق ہے تو یہ بھی برحق ہے۔ شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں۔ زندگی میں موت کی فکر کرنا اور صحت میں بیماری کی فکر کرنا دانشمندی کی علامت ہے۔ قیامت کے دن سب سے پہلے جن نعمتوں کے بارے میں بازپرس ہوگی اس کی فکر آج کر لینی چاہیے۔ ورنہ کل ندامت کے سوا کچھ نہ ہوگا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہفت روزہ

خدام الدین

لاہور

جلد نمبر ۲۳ — شمارہ نمبر ۳۹

جاری کردہ

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی قدس سرہ العزیز

مدیر مسئول

جانشین شیخ التفسیر

مولانا عبید اللہ انور

رئیس التحریر

مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمود مدظلہ

مدیر:

محمد سعید الرحمٰن علوی

ادارہ تحریر

مولانا محمد اجمل

زاہد الراشدی

صالح محمد سندوی

بدل اشتراک

سالانہ	۴۰/۰۰
ششماہی	۲۰/۰۰
سہ ماہی	۱۰/۰۰
فی پرچہ	ایک روپیہ

وقت کی سب سے بڑی ضرورت

مکین گنبد خضراء

سے

سچی عقیدت و محبت!

نبی اکرم، رسول رحمت، شافع محشر، سیدنا ولد عدنان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے "حجۃ الوداع" کے "تاریخ ساز" اور "فقید المثال" اجتماع کے موقعہ پر رہ نوردان عشق و محبت کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ:

"میں قرآن و سنت جیسی دو بیش بہا نعمتیں تمہارے لیے چھوڑ کر جا رہا ہوں، ان کو مضبوطی سے تھامے رکھنا۔ اس بات کی ضمانت ہوگی کہ تم جادۂ حق پر رہو، یقین کرو کہ ان سے وابستگی ہوتے ہوئے گمراہی تمہارے قریب بھی نہ پھٹکے گی۔"

کائنات کے اس سب سے بڑے محسن و مربی علیہ التحیۃ والثناء نے یہ بات ارشاد فرمائی تو سامعین نے پلے باندھ لی، محض باندھی ہی نہیں بلکہ عملی دنیا میں ثابت کر دکھایا کہ واقعی انہیں ان مجموعہ ہائے رشد و ہدایت سے گہری وابستگی ہے اور وہ انہی کو اپنے ملی تشخص کی بنیاد قرار دیتے ہیں۔

ان راہ حق کے مسافروں کا یہ طرز عمل رنگ لایا اور وہ مادی طور پر تہی داماں ہونے کے باوجود بھی ساری دنیا پر چھا گئے۔ اور عرب و عجم کا وسیع تر علاقہ ان کے زیر نگیں آ گیا۔ انہوں نے اللہ کی سرزمین پر اللہ کی حاکمیت کا جھنڈا گاڑا۔ بڑے سے بڑا منصب حاصل ہونے کے باوجود اپنے کو معاشرہ کا عام فرد سمجھا۔ ہر وقت اپنے آپ کو محاسبہ کے لیے عوام کی عدالت میں پیش رکھا۔ سادگی و قناعت کو زندگی کا شعار بنایا۔ خزانہ ملی کو ایک امانت سمجھا اور اس کے ایک پیسہ کو بھی بلا ضرورت خرچ نہ کیا۔ یہ سب کچھ قرآن و سنت میں گہرے غور و تدبر کا نتیجہ تھا۔ ان کی زبانیں کلام الٰہی سے تر رہتی تھیں اور جو وہ پڑھتے اس پر غور کرتے اور عمل کی دنیا میں ایک مثالی انسان ہونے کا مظاہرہ کرتے۔ انہوں نے اپنے محسن و مربی کی زبان صداقت ترجمان سے جو سنا تھا جب

آیت کریمہ۔ ۲۴ فروری بعد نماز مغرب۔ دعوت عام ہے

اس کو گلا ایا ہا تو پروردگار عالم نے اپنی رحمتوں کے خزانے ان کے لیے کھول دیئے۔ وسائل نے آگے بڑھ کر ان کے قدم چومے اور وہ ہر طرح سے خوشحال ہوگئے۔

یہ صورت حال دنیا میں ایک ہزار سال سے زائد عرصہ تک قائم رہی۔ یہ صحیح ہے کہ صدر اوّل کی برکات میں بتدریج کمی آ گئی۔ لیکن یہ کہنا غلط ہوگا کہ وہ نظام حق و صداقت من حیث المجموع عنقا ہو گیا۔

البتہ جب شامتِ اعمال کے پیشِ نظر قرآن و سنت سے وابستگی ڈھیلی پڑ گئی۔ عقیدے متزلزل ہو گئے اعمالِ صالحہ کی رفتار سست پڑ گئی۔ اخلاق و معاشرت میں وہی روح برقرار نہ رہی تو ابتلاء و آزمائش کا دور شروع ہوا اور یوں کہنا چاہیے کہ یورپی طاقتیں بلائے دماں بن کر چاردانگ عالم میں پھیل گئیں۔ انہوں نے مکر و فریب اور عیاری و مکاری کے روایتی ہتھکنڈے اپنا کر اور خود ملت کے اندر سے بے ضمیر و بدبخت افراد سے کام لے کر خلافتِ عثمانیہ اور مغلیہ سلطنت کو برباد کر دیا۔ حکومتی وجاہت اور شوکت و سطوت جانے کے ساتھ ساتھ تعلیم و ثقافت اور تہذیب و تمدن پر ایسی یلغار کی گئی کہ الاماں!

لیکن ہزار ہزار رحمتیں ہوں ان علماء و صلحاء اور دوسرے ایثار پیشہ اور مخلص و متدین مسلمانوں پر جنہوں نے کمال عزیمت و استقامت اور جرأت و مردانگی سے طویل عرصہ تک آزادی کی جنگ لڑی اور برصغیر سمیت پوری مسلم دنیا کو انگریز کے پنجۂ استبداد سے آزاد کرا لیا۔

برصغیر کی جنگ آزادی کے دنوں میں نئے ملک پاکستان کا ایک نعرہ سامنے آیا جس کا مقصد و مدعا یہ بیان کیا گیا کہ مسلم قوم کو حل کر سکے اور ایک ایسا معاشرہ قائم کر سکے جو پوری طرح قرآن و سنت کے مطابق ہو۔

ملت کی عظیم اکثریت کی طرف سے اس نعرہ کو پذیرائی نصیب ہوئی اور یوں "پاکستان" دنیا کے نقشے میں ایک نئے مسلم ملک کی حیثیت سے قائم ہو گیا۔ لیکن ہمیں یہ کہنے میں باک نہیں کہ ملک کی تیس سالہ زندگی میں ارباب اقتدار نے کبھی بھی تو اس وعدہ کے ایفا کے لیے مخلصانہ کوشش نہیں کی۔ جس کی بنیاد پر یہ ملک معرض وجود میں آیا تھا۔

اس بدترین قسم کی وعدہ خلافی کا ہی یہ قدرتی ردِ عمل تھا کہ سنہ میں ملک دولخت ہو گیا۔ اس کی جغرافیائی حدود کم ہو گئیں۔ ہمارے ماتھے پر ایسا کلنک کا ٹیکہ لگا کہ مسلم دنیا کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

سنہ کے حادثہ کے نتیجے کے طور پر ذمہ دار عناصر نے بعد ازاں عنانِ اقتدار سنبھال لی۔ کچھ لوگوں کا یہ خیال تھا کہ اتنے بڑے حادثہ کے بعد شاید کوئی بہتری کی صورت نکل آئے۔ لیکن ان عناصر نے اس ملک میں جو صورت حال پیدا کی اس کے ردِ عمل کے طور پر آج ملک کا بچہ بچہ سراپا احتجاج ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ اس ماحول کی پیداوار تھے جس ماحول میں ضمیر کو بیچنا، آزادی کا سودا کرنا معمول بات سمجھی جاتی تھی۔ یہ لوگ صحیح اسلامی و دینی تعلیم و تربیت سے محروم تھے۔ لہٰذا ان سے اس کے علاوہ کسی دوسری چیز کی توقع ہی نہیں کی جا سکتی تھی۔

ان لوگوں نے اسلامی روایات کو پامال کیا، اسلامی اخلاق و کردار کا جنازہ نکالا۔ اور ہر وہ حرکت کی جس کی وجہ سے اسلامیت و شرقیت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔

اب جب کہ ان لوگوں کے چل چلاؤ کا دور دورہ ہے تو یہ لوگ پھر لمبے چوڑے وعدے کر کے سامنے آ رہے ہیں۔ لیکن اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہر مسلمان کو سامنے رکھنا چاہیے۔ کہ

"مسلمان ایک سوراخ سے دو مرتبہ ڈسا نہیں جا سکتا"

اس کے برعکس متبادل قیادت کے طور پر ایسے لوگ سامنے موجود ہیں جن کی زندگیاں بہرحال اس کا پتہ دیتی ہیں کہ وہ دین و ملت کے معاملہ میں کمال خلوص کا مظاہرہ کریں گے اور بالخصوص اس متبادل قیادت میں ایسے افراد کی شمولیت جو پہلے بھی مختلف دوائر میں محدود پیمانہ پر خدمت کر چکے ہیں۔ ایک خوش کن امر ہے۔

اتفاق یہ ہے کہ عین انہی دنوں میں کائنات کے دولہا اور دنیائے انسانیت کے سب سے بڑے غمخوار اور محسن کا "یوم ولادت" آ رہا ہے۔ اس دن ملت کا ہر فرد انفرادی اور اجتماعی طور پر اس ذات اقدس و اطہر سے اپنی لازوال محبت و عقیدت کا ثبوت دینے کے لیے بہت کچھ کرتا ہے۔

(باقی ۳۲ پر)

خطبہ جمعہ

اسلامی انقلاب کیسے آئے گا؟

ضبط و ترتیب: ادارہ

جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبیداللہ انور دامت برکاتہم

بعد از خطبہ مسنونہ :—

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ ۔ ۔ ۔ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

جو آیت کریمہ تلاوت کی گئی یہ سورۂ نور کے ساتویں رکوع کی آیت ہے ۔ تشریح سے قبل ترجمہ ملاحظہ فرمائیں :

"وعدہ کر لیا اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں ایمان لائے ہیں اور کئے ہیں انہوں نے نیک کام، البتہ بعد کو حاکم کر دے گا ان کو ملک میں جیسا کہ حاکم کیا تھا ان سے اگلوں کو اور جما دیگا ان کو ان کے ڈر کے بدلے میں امن، میری بندگی کریں گے شریک نہ کریں گے میرا کسی کو، اور جو کوئی ناشکری کرے گا اس کے پیچھے سو وہی لوگ ہیں نافرمان ۔ (حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ)

تین وعدے

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالےٰ نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ مسلمانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے تین وعدے فرمائے ۔ پہلا یہ کہ جو ان میں کامل الایمان اور نیکی و تقویٰ کے علمبردار ہوں گے ان کو حضور علیہ السلام کے بعد حکومت و سلطنت دی جائے گی ۔

دوسرا یہ کہ جو دین ان کے لیے پسند کیا جا چکا ہے اس کو ان کے لیے جما دیا جائے گا ۔

تیسرا یہ کہ خوف و ہراس کی جگہ امن و اطمینان کا دور دورہ ہو جائے گا ۔

ان بندوں کا حال

ساتھ ہی فرمایا ۔ یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا ۔ کہ ان بندوں کا حال یہ ہوگا کہ وہ محض میری بندگی و عبادت کریں گے اور کسی کو میرا شریک نہ ٹھہرائیں گے ۔

اس وقت کا ماحول

جس زمانہ میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اس زمانہ کے ماحول سے عام طور پہ لوگ واقف ہیں ۔ یہ آیت کریمہ جیسا کہ عرض کیا سورہ نور کی ہے اور یہ سورۃ مدنی ہے ۔ مکہ معظمہ کی زندگی سے تو ہر کوئی واقف ہے کہ وہاں دکھ ہی دکھ تھے لیکن مدینہ منورہ میں بھی ابتداء میں یہی صورت حال رہی ۔ بیرونی طور پہ اہل مکہ اور ان کے حلیفوں کی بار بار کی چڑھائی اندرونی طور پہ یہود مدینہ کی منافقانہ اور شر پسندانہ روش، نتیجہ یہ تھا کہ مسلمان ایک قسم کی پریشانی کا شکار تھے ۔ ایسے میں اللہ تعالےٰ نے جو اجنبی کی طرح مستقبل کے حالات و واقعات سے نہ صرف یہ کہ آگاہ ہے بلکہ سب کچھ پیدا کرنے والا ہے، نے یہ وعدہ اور پیشین گوئی فرمائی ۔ نظر بظاہر حالات ایسے نہ تھے کہ ایسا ہو جاتا لیکن خدائے بزرگ و برتر نے جو کچھ فرمایا وہ ہو کر رہا ۔ اور نبی کریم علیہ السلام کی مبارک زندگی میں ہی فتح مکہ کے بعد صورت حال یکسر بدل گئی اور مسلمان ایک نئے دور میں داخل ہو گئے ۔

ہمارے مولانا احمد سعید دہلوی رحمہ اللہ تعالےٰ جو

سبحان الہند کہلاتے ہیں نے بھی قرآن کریم کی خدمت سرانجام دی۔ ترجمہ اور حواشی لکھے۔ مرحوم اس موقعہ پہ فرماتے ہیں:۔

"یعنی اللہ تعالےٰ نے موجودہ امت سے حکومت اور دین اسلام کے استحکام اور جمادؤ اور خوف کو امن سے بدل دینے کا وعدہ فرمایا اور چونکہ دشمنان دین کی متواتر اذیتوں سے پریشان ہو کر بعض صحابہؓ نے عرض کیا تھا، یا رسول اللہ! کیا ہم ہمیشہ اسی طرح خوف زدہ اور پریشان رہیں گے یا کوئی زمانہ ہم پر ایسا بھی آئے گا کہ ہم امن سے بہرہ ور ہوں گے اور مامون رہ کر زندگی گذاریں گے اور ہتھیار رکھ دیں گے، اس پر شاید یہ آیت نازل ہوئی۔

بہرحال اللہ تعالےٰ نے یہ پیشین گوئی پوری فرمائی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے فتوحات کا دور شروع ہوا اور خلفائے راشدین کے دور میں مسلمانوں کی حکومتیں کہیں سے کہیں پہنچ گئیں — یہاں تک کہ یورپ اور ایشیا بلکہ افریقہ کا بھی کافی حصہ ان کے زیرنگیں ہو گیا اور دین اسلام جو اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کے لیے پسند فرمایا تھا وہ بھی بہت پھلا اور پھولا اور ہر چہار طرف امن و امان کا دور آگیا، بے خوف وخطر مسلمان ہر جگہ جانے لگے۔" (تیسیر القرآن صفحہ ۵۷)

اس آیت کریمہ میں لفظ "استخلاف" کا مفہوم حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم واضح فرماتے ہیں:۔

"یہ خطاب فرمایا حضرت کے وقت لوگوں کو یعنی جو ان میں اعلیٰ درجہ کے نیک اور رسول کے کامل متبع ہیں۔ رسول کے بعد ان کو زمین کی حکومت دیگا اور جو دین اسلام خدا کو پسند ہے ان کے ہاتھوں سے دنیا میں اس کو قائم کرے گا۔

گویا جیسا کہ لفظ "استخلاف" میں اشارہ ہے وہ لوگ محض دنیوی بادشاہوں کی طرح نہ ہوں گے بلکہ پیغمبر کے جانشین ہو کر آسمانی بادشاہت کا اعلان کریں گے۔ اور دین حق کی بنیادیں جائیں گے، اور خشکی و تری میں اس کا سکہ بٹھلا دیں گے۔ اس وقت مسلمانوں کو کفار کا خوف مرعوب نہ کریگا وہ کامل امن و اطمینان کے ساتھ اپنے پروردگار کی عبادت میں مشغول رہیں گے اور دنیا میں امن و امان کا دور دورہ ہوگا۔ ان مقبول و معزز بندوں کی ممتاز شان یہ ہوگی کہ وہ خالص خدائے واحد کی بندگی کریں گے جس میں ذرہ برابر شرک کی آمیزش نہ ہوگی۔ شرک جلی کا تو وہاں ذکر کیا ہے شرک خفی کی ہوا بھی ان کو نہ پہنچے گی۔ صرف ایک خدا کے غلام ہوں گے۔ اسی سے ڈریں گے، اسی سے امید رکھیں گے، اسی پر بھروسہ کریں گے، اسی کی رضا میں ان کا جینا اور مرنا ہوگا۔ کسی دوسری ہستی کا خوف و ہراس ان کے پاس نہ پھٹکے گا نہ کسی دوسرے کی خوشی ناخوشی کی پروا کریں گے۔ (تفسیر عثمانی صفحہ ۴۶۳)

تاریخی شہادتیں

یہ جو کچھ عرض کیا گیا اگر ان کے متعلق تاریخی شہادتیں اکٹھی کی جائیں تو ایک دفتر بھی ناکافی ہوگا لیکن کون ہے جو ان حقائق کو جھٹلا سکے کہ امن و اطمینان کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ صنعا سے چلنے والی عورت کو کسی کا خوف نہ تھا۔ وہ بے دھڑک راستہ طے کرتی تھی، لوگ زکوٰۃ کی رقوم لے کر مارے مارے پھرتے تھے لیکن کوئی لینے والا نہ تھا، زلزلے آتے تھے تو مسلمانوں کے امیر کا دُرّہ ان کو روکنے کے لیے کافی تھا۔ نیل کی روانی میں جو رکاوٹ پیدا ہو جاتی تھی کاغذ کے ایک رقعہ پر وہ جاری ہو جاتی ہے۔ الغرض جو اللہ نے فرمایا وہ صحیح ہوا اور ہو کر رہا۔ اور یہ سلسلہ مدتوں تک رہا۔ مسلمان بحر و بر میں پھیل گئے۔ اور ان کی عظمت و سطوت کے جھنڈے چاردانگ عالم میں لہرانے لگے۔ محض صحابہ کے دور میں نصف دنیا ان کے زیرنگیں ہو گئی۔

لیکن آہ!

کہ پھر ایک ایسا وقت آیا کہ وہ صورت یکسر تبدیل ہوگئی حکومتیں چھن گئیں۔ پھر خوف و ہراس کا دور دورہ ہو گیا۔ پھر بے اطمینانی و بے چینی نے ڈیرے ڈال لیے۔ معاشی زبوں حالی اور معاشرتی افراتفری نے سارے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں

لے لیا۔

سوال یہ ہے

کہ ایسا ہوا تو کیوں؟ کیا وہ خدا جو فرعون اور فرعونی قوتوں کے مقابلہ میں نہتے بنی اسرائیل کو غلبہ عطا فرما سکتا ہے اور اس نے غلبہ عطا فرمایا بھی، جس نے نمرود اور نمرودی طاقتوں کے مقابلہ میں اپنے خلیل علیہ السلام کو عزتِ جاوداں بخشی۔ جس نے مکہ و مدینہ کی قہرمانی طاقتوں کے مقابلہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے پریشان حال اور نہتے رفقاء کو غلبہ و طاقت عطا فرمائی، عزت و کامرانی نصیب فرمائی اور تمام صنادید باطل کو فتح مکہ کے دن ان کے حضور مجرمانہ کھڑا کر دیا۔ وہ خدا اب اس دنیا میں موجود نہیں؟ یا وہ اپنا وعدہ بھول چکا ہے؟ یا اس نے اپنے وعدے کو پورا کرنے میں تخلف کیا ہے؟

حاشا و کلّا ایسا نہیں۔ خدائے بزرگ و برتر اب بھی ہیں بلکہ وہی تو ہیں جو ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے باقی تو سب کچھ فنا ہونے کے لیے ہے اور ہو رہا ہے، خدا اپنا وعدہ اور اپنی بات کو بھولتا نہیں، وہ تخلف نہیں کرتا تو پھر ایسا کیوں؟ وجہ کیا ہے؟

آج مسلمان بے اطمینانی کا کیوں شکار ہے۔ آج اس معاشرہ میں ظلم و زیادتی، فسق و فجور، رنڈی بازی، شراب نوشی، قتل و غارت گری کیوں ہے؟ اس معاشرہ میں نان جویں کی محتاجی چہ معنی دارد؟ اور تن ڈھانپنے کے کپڑے اور سر چھپانے کی جھونپڑی کیوں غائب ہے؟

اس کا جواب ہمیں اپنے نہاں خانۂ دماغ میں تلاش کرنا ہوگا۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی اِسْتَفْتِ قَلْبَکَ ہمیں دل سے پوچھنا ہوگا؟

سو جب دل سے پوچھیں گے تو جواب ملے گا کہ اللہ کا وعدہ،

ایمان والوں سے تھا، اعمال صالحہ کی دولت سے بہرہ ور لوگوں سے تھا، محض اس کی عبادت و بندگی کرنے والوں سے تھا۔

لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ ہماری زبان پہ کلمہ ہے پر دل نورِ ایمان سے خالی ہے۔ اعمال صالحہ کی برکات سے معاشرہ خالی ہو چکا ہے اور ایک خدا کی جگہ "دسیوں" کی پرستش ہو رہی ہے۔ آج نماز رخصت ہے، روزہ کی خیر نہیں، زکوٰۃ نادارد، حج کی چھٹی، صداقت، دیانت، انصاف، یتیم پروری، محتاجوں اور مساکین کی خبرگیری، مزدور کے حق کی ادائیگی، کسان کو اس کا حق دینا، طلبہ کی صحیح تعلیم و تربیت، گاہکوں سے انصاف برتنا وغیرہ ذالک۔ جتنے ہمارے امتیازی اوصاف تھے وہ تلاش کریں کہاں ہیں؟ آج پورا معاشرہ ظلم، ناانصافی، بددیانتی، جھوٹ، بے راہروی، فحاشی و عریانی کا شکار ہے۔ یتیم کا گلا کاٹنا، بیوہ کی اوڑھنی تک چھین لینا، غنڈہ گردی پر فخر کرنا، رقص و سرود سے دل بہلانا جیسے امراض خبیثہ ہمارے معاشرے کو گھن کی طرح غارت کر چکے ہیں۔

ہر طاقت والے کے سامنے ہماری جبین نیاز جھکتی ہے۔ اس کے باوجود کہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہ طاقت وقتی ہے؟ ایسے میں حکومت و سلطنت کا وعدہ، دین کے بقاء کا وعدہ اور امن و اطمینان کا وعدہ کیسے پورا ہو؟ یہ وعدے تب پورے ہوں گے جب ہمارے اندر انقلاب آئے گا۔

عزیزانِ مکرّم!

پاکستان کے بنائے جانے کا مقصد ہی خدا کے دین کی سربلندی تھی لیکن یہاں سب کچھ ہوا، دین سربلند نہ ہو سکا۔ اس کی ہمیں شدید سزا ملی کہ ہم ملک کے نصف حصہ سے ہاتھ دھو بیٹھے لیکن ہماری بدبختی کا یہ عالم ہے کہ جن کی شرارتوں اور سازشوں سے ہم یہاں تک پہنچے۔ انہی کو ہم نے گردن پر مسلط کر لیا۔ اب وقت ہے کہ ان کو گردن سے اتار پھینکیں اور ایسا کہ ان کی نسل و قبیلہ کے کسی فرد کو آئندہ کے لیے اس قسم کا موقعہ نہ ملے، یہ دفن ہو جائیں اور ہمیشہ کے لیے ان کا نام و نشان مٹ جائے اور یہ خدا کے باغی، ملت کے ڈاکو اور اغیار کے پرستار اپنے آغاز کو پہنچ جائیں۔

اسی منزل کے حصول کے لیے ملت متحد ہوئی، ایک پرچم تلے، ایک نشان اپنایا گیا ہے جو "ہل" ہے جو بقول مفتی محمود آبادی کی علامت ہے۔ اب فرزندانِ ملت کا فرض ہے کہ وہ اس موقعہ کو ہاتھ سے گنوائے بغیر جرأت و استقامت کے ساتھ آگے بڑھیں اور ظلم کے ایوانوں کو تہ و بالا کر کے امن کی کھیتی کو سرسبز کر دیں۔ خدا ہمت دے، جرأت دے، استقامت دے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین!

قارئین کو علم ہو چکا ہو گا کہ جانشینِ شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور زید مجدہم امیر جمعیۃ علماء اسلام پنجاب ۹ جماعتوں کے قومی اتحاد کی طرف سے لاہور حلقہ ۶ سے قومی اسمبلی کا انتخاب لڑ رہے ہیں۔

حضرت مولانا کی انتخابی مہم کے سلسلے میں پہلا جلسہ ۳۰ جنوری ۷۷ء بروز اتوار ۲ بجے بعد نماز ظہر لائٹ سبحان خان اندرون شیرانوالہ گیٹ منعقد ہوا۔ اس جلسہ کی صدارت حضرت مولانا غلام علی اوکاڑوی صدر جے۔ یو۔ پی پنجاب نے کی اور مولانا عبید اللہ انور کے علاوہ مولانا فیض القادری (پی۔ ڈی۔ پی) قاری عبدالحمید (جے۔ یو۔ پی) مزدور رہنما طاؤس خان، طالب علم رہنما سلیمان کھوکھر اور زرین عباسی نے بھی خطاب کیا جبکہ سید امین گیلانی اور شاعر انقلاب حبیب جالب نے منظوم کلام پیش کیا۔ جالب صاحب نے دوسرے کلام کے علاوہ مولانا کے متعلق اپنی تازہ نظم سنا کر مجمع کو لوٹ لیا۔ وہ اشعار پیش خدمت ہیں سٹیج سیکرٹری مدیر خدام الدین تھے۔

(ادارہ)

عبید اللہ انور

(۱)

محبت کا پیکر، شرافت کا مظہر
سخن اس کا شیریں، حیا اس کا جوہر
ہے سب کی نظر میں، ہے سب کی زباں پر
عبید اللہ انور، عبید اللہ انور!

(۲)

وہ قیدِ ستم سے چھڑائے گا ہم کو
وہ فرعونیت سے بچائے گا ہم کو
اخوت کا رستہ دکھائے گا ہم کو
ڈرے جس سے شاہی وہ مردِ قلندر
عبید اللہ انور، عبید اللہ انور

(۳)

جگر بند احمد علیؒ، جانِ جاں ہے
عبید اللہ سندھیؒ کا زندہ نشاں ہے
زمیں ہے عدو اور وہ آسماں ہے
یہی ذکر ہر سُو، یہی بات گھر گھر
عبید اللہ انور، عبید اللہ انور

(۴)

اٹھو خوابِ غفلت سے لاہور والو!
کرو حق کی پہچان روشن خیالو!
درندوں سے انسانیت کو بچا لو
ہمارا ہے قائد، ہمارا ہے رہبر
عبید اللہ انور، عبید اللہ انور!

گاہے گاہے باز خواں :

اِنقلابِ امت

اسوۂ حسنہ کی روشنی میں

اَلحمدُ للہِ وکفیٰ وسلامٌ علیٰ عبادِہِ الذین اصطفیٰ

اما بعد

بعثت سے پہلے عرب کی حالت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم جب اس دنیا میں تشریف لائے مشرق و مغرب میں جہالت کی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ عالمِ انسانی توہمات کے گڑھے میں گرا ہوا تھا۔ خدا اور انسان کے درمیان ہزاروں طرح کے حجابات و موانع حائل تھے۔ کمزور و ناتوان انسان کو مناظرِ قدرت میں مختلف خلّاق نظر آتے تھے سرزمین عرب میں انسان انسان کے خون کا پیاسا تھا۔ شاعری کے سوا اہل عرب کا کوئی علمی شغل نہ تھا۔ لوٹ مار چوری اور ڈاکہ زنی ان کے روزمرہ کے مشاغل تھے۔ بد اخلاقی فحش گوئی ان کی پسندیدہ دلچسپیاں تھیں۔ تمام ملک میں کوئی نظامِ حکومت نہ تھا ہر قبیلہ دوسرے قبائل سے علیحدہ زندگی کے اصول و قوانین رکھتا تھا۔ مذہب میں بت پرستی کا عنصر غالب تھا۔ ہر قبیلہ اور ہر گھرانے کا علیحدہ بت تھا اور خدا کا وہ گھر جو اس دنیا کا پہلا عبادت کدہ تھا۔ تین سو ساٹھ بتوں کا مسکن بن رہا تھا۔ جس کے گرد اہلِ عرب ننگے ہو کر طواف کیا کرتے تھے۔

عرب کے شعراء اپنے گھرانے کی عورتوں سے اپنی بدکاریوں کا تذکرہ اپنے اشعار میں کیا کرتے تھے۔ اور میلوں میں بڑے بڑے مجمعوں کے سامنے اپنی بے حیائیوں کا قصہ مزے لے لے کر بیان کرتے۔

حضور انور کی انقلاب پسند جماعت

ایسے تاریک ماحول میں پیدا ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم جہاد و انقلاب بلند فرمایا آپ نے ایک گروہ نہیں بلکہ تمام عالم کے خلاف جدوجہد کا اعلان کیا ایک ایسے ملک میں جہاں لے دے کر دو چار افراد فطرت سلیمہ کے حامل تھے آپ نے گنتی کے چند برسوں میں صحیح الخیال اور جوشِ عمل رکھنے والوں کا ایک ایسا

حضرت الامام لاہوری قدس سرہٗ کا ایک مطبوعہ مضمون جس کا عنوان ہے

اِنقلاب امت : اسوۂ حسنہ کی روشنی میں!

یہ رسالہ ۱۳۵۸ھ میں شائع ہوا۔ اس وقت پاکستان نہیں متحدہ ہندوستان تھا۔ اب جب کہ یہ صدی ختم ہونے والی ہے اور اس مضمون کو شائع ہوئے قریباً چالیس سال ہو چکے ہیں اس کے مندرجات جوں کے توں ہیں ہندوستان کے بجائے "پاکستان کو دیکھیں تو مسائل جوں کے توں نظر آئیں گے اور ان کا حل آج بھی وہی ہے جو کل تھا۔ یہ نادر و نایاب تحفہ پیش خدمت ہے۔ "

علی مدیر خدام الدین

حضرت الامام شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری
قدس سرہ العزیز

گروہ تیار فرما دیا جس نے پہلی صدی ہجری کے اندر اندر اسلام کا نام ایشیا، یورپ اور افریقہ کے بر اعظموں میں پھیلا دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے لے کر آپؐ کی وفات تک کل تیئیس برس کا زمانہ ہے۔ اس مختصر عرصہ میں آپ نے مومنین کی ایک معتد بہ جماعت تیار کی جو اللہ تعالیٰ کے سوا دنیا کی کسی قہرمانی طاقت سے مرعوب نہ ہو سکتی تھی جن کے دلوں کو دنیا کی کوئی دلکشی اور زندگی کی کوئی دلچسپی اپنی طرف مائل نہ کر سکتی تھی۔ جو بیوی بچوں کی محبت اور دوست احباب کی رفاقت کا حق ادا کرتے ہوئے اللہ کے دین کے قیام کی راہ میں ہر ایثار اور قربانی کے لیے ہر وقت تیار رہتے جو حق و صداقت کی راہ میں کسی تکلیف کو ناقابل برداشت نہ سمجھتے اور جنہیں اس خوشنما دنیا کی کوئی دلچسپی محاسبۂ آخرت سے بے نیاز نہ بنا سکتی۔

تحریک انقلاب میں رکاوٹیں

ظلمت آباد عرب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تمام دنیا کے خلاف علم جہاد و انقلاب بلند کیا تو تمام عرب آپ کا دشمن ہو گیا۔ مکہ کی تمام آبادی آپؐ کی مقدس آواز کو اپنے طوفانِ بے تمیزی میں گم کر دینے پر آمادہ ہوئی آپ کی اپنی قوم کے افراد آپ کے بدترین دشمن بن گئے آپؐ کو طرح طرح کی ایذائیں دی گئیں۔ آپؐ کی راہ میں مادی و معنوی کانٹے بچھائے گئے۔ ہمت شکنی اور حوصلہ فرسائی کے تمام حربے آپ کے خلاف استعمال کئے گئے اور جب ان میں سے کوئی چیز بھی آپ کو راہِ حق سے منحرف نہ کر سکی تو پھر آپؐ کے سامنے دنیا کی نعمتیں اور دلچسپیاں پیش کی گئیں۔ لیکن آپؐ کے حق آگاہ قلب کو یہ چیزیں متاثر و مرعوب نہ کر سکیں۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی شاندار کامیابی

حالات کی اس نامساعدت اور ماحول کی اس عدم مطابقت کے باوجود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ۲۳ سال کے اندر ۱۲ لاکھ مربع میل میں پھیلے ہوئے ریگستان کے منتشر، جنگجو، جاہل، سرکش، غیر متمدن، ہمیشہ آپس میں لڑنے والے قبائل کو ریل اور تار اور ریڈیو اور پریس کی مدد کے بغیر ایک مذہب، ایک تہذیب، ایک قانون اور ایک نظام حکومت کا تابع بنا دیا۔ آپؐ کی مبارک مساعی کا نتیجہ یہ تھا کہ نسل انسانی نے بداخلاقی کے تاریک گڑھے سے نکل کر محسن اخلاق و عمل کی شاہراہ پائی۔ بد عملی نیک عملی میں تبدیل ہو گئی۔ دشمنی، بغض و حسد اور عناد رکھنے والے آپس میں بھائی بھائی بن گئے وہ جو ہر پتھر کو پوجتے اور ہر چوکھٹ پر سر نیاز جھکا دیتے تھے۔ اب سوائے خالق ارض و سما کے کسی کے سامنے سر تسلیم خم نہ کرتے تھے۔ چوری، زنا، جوا، اور ڈاکے کے عادی مجرم اعلیٰ ترین اخلاق کے حامل بن گئے۔ پتھر کے ٹکڑوں کو سجدہ کرنے والے وحشی عرب عقل و فکر کے علمبردار تہذیب و تمدن کے حامل علوم و فنون کے سرپرست بن گئے۔

ایک فرد بشر کا اپنے حین حیات میں اس قدر عظیم الشان انقلاب پیدا کر دینا ایک ایسا بے نظیر کارنامہ ہے کہ اس کی مثال تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔ اسی لیے وِن وڈ ریڈ یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تاریخ عالم پر کسی ایک فرد کے وسیع اثر کی سب سے بڑی مثال پیش کی۔

مسلمانان ہندوستان کی حالت زار

آج ہندوستان کی سرزمین میں اسلام اور مسلمان جس کسمپرسی کے عالم میں زندگی بسر کر رہے ہیں وہ ابتدائے اسلام کی یاد تازہ کراتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دینِ حق عالم انسانی کی فلاح و بہبود کے لیے پیش فرمایا وہ جہالت و توہم، بدعت و شرک کے تہ بہ تہ حجابات میں مستور و محجوب ہو رہا ہے۔ آج خدا کی مسجدوں میں ماسوا اللہ کی یاد پر اصرار ہوتا ہے۔ آج اللہ کے دروازے کو چھوڑ کر غیر اللہ کی چوکھٹوں پر سر جھکانا باعث فخر خیال کیا جاتا ہے علوم و فنون ہیں۔ تہذیب و تمدن میں۔ اجتماعی زندگی کے ہر شعبہ اور قومی حیات کے ہر درجہ میں مسلمان ہمسایہ قوموں سے پیچھے جا رہے ہیں غربت و افلاس، بد اخلاقی و بے حیائی کے کاموں میں وہ کسی قوم کو سبقت لے جانے نہیں دیتے۔ توہمات اور رسوم جاہلیت ان میں جاری و ساری ہیں۔ بدعات و فتن کا دور دورہ ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

ایسے تاریک ترین دور بدعات و فتن میں اگر کوئی چیز مشعلِ راہ بن سکتی ہے تو وہ اسوہ حسنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ آج جو لوگ آپؐ کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہوں گے۔ وہ یقیناً موجودہ

اسلامیانِ ہند کے تاریک حال کو روشن مستقبل میں تبدیل کر سکیں گے۔

اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس حیات کے مطالعہ سے زیادہ نسل انسانی کی مصیبتوں کا اور کوئی علاج نہیں۔ گذشتہ ۱۴ سو برس میں جب کبھی کسی صاحبِ عزیمت نے دنیائے اسلام کے اندر انقلاب پیدا کیا تو اس کا طریقِ کار منہاجِ نبوت سے مستعار لیا گیا تھا۔ اور سنتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے روگردانی کرنے والوں نے اسلام اور مسلمانوں کے لیے کبھی کوئی کارِ نمایاں سر انجام نہ دیا۔

لہٰذا ہم مسلمانانِ ہند پر آج لازم ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی مبارک سیرت کو اس نکتہ نگاہ سے مطالعہ کریں کہ وہ کون سی اوصاف حمیدہ تھیں جن کی وجہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دنیا میں اس قدر عظیم انقلاب پیدا کرنے میں کامیاب رہے۔

سیّد الانبیاءؑ کی سیرت کے دو پہلو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے اس پہلو کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ایک تعلق باللہ اور دوسرا تعلق بالمخلوقات۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہم دیکھتے ہیں کہ یہ دونوں تعلقات اس خوبی وکمال کے ساتھ قائم ہوئے کہ آپؐ ایک آئیڈیل رہنما اور قائد ثابت ہوئے۔

پہلا تعلق باللہ

قرآن وحدیث کا مطالعہ اس حقیقت کو بخوبی واضح کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں اللہ تعالیٰ کا خوف اس حد تک جاگزیں تھا کہ آپ کی آنکھوں سے اکثر آنسو بہتے دیکھے جاتے تھے اکثر صحابہؓ نے آپ کو سجدے کی حالت میں روتے ہوئے اور آہ وزاری کرتے ہوئے دیکھا۔ اور آپ نے لوگوں کو بھی یہی تاکید فرمائی کہ ہنسنا کم اور رونا زیادہ چاہیے۔ جب کہ قرآن مجید کا ارشاد موجود ہے

فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَّلْيَبْكُوا كَثِيرًا (التوبہ ۸۲)

ترجمہ:- پس انہیں چاہیئے کہ ہنسیں کم اور روئیں زیادہ

اور پھر اسی کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ کوئی غیر اللہ کی قوت آپ کو عمر بھر مرعوب ومتاثر نہ کر سکی۔ غار ثور کے اس واقعہ کو یاد کرو کہ کس طرح بے سروسامانی اور کسمپرسی کا وہ عالم طاری ہے جس میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس غار میں پناہ گزین ہیں۔ ساتھ سوائے ایک "یارِ غار" کے کوئی اور موجود نہیں۔ باہر ہر طرف دشمن آپؐ کی تلاش میں آپؐ کے خون کے پیاسے پھر رہے ہیں۔ اس خوف وہراس کے وقت بھی آپؐ کے دل پر دشمنوں کا کوئی خوف نہیں اس لیے کہ جس دل میں خدا کا خوف اور اس کا جلال سمایا ہو اس دل میں ماسوا اللہ کا خوف راہ نہیں پا سکتا۔ اس لیے آپ کی زبان فیض ترجمان پر یہ الفاظِ قرآنی جاری ہوتے ہیں:

لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا (التوبہ ۴۰)

ترجمہ:- غم مت کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے

اسی طرح اُحد کے میدان میں جب مسلمان حوصلہ ہار کر میدان سے بھاگ رہے تھے تو قرآن شاہد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بھی میدان میں دشمن کی تلواروں اور نیزوں کے درمیان کمال استقامت وپامردی کے ساتھ کھڑے اپنے ساتھیوں کو پکار پکار کر واپس بلا رہے تھے۔ دشمن کی طاقت اور ہیبت آپ کے دل پر رائی کے برابر بھی اثر نہ کر سکی۔ اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلب مبارک میں اللہ تعالیٰ کی محبت اس قدر رچی ہوئی تھی کہ آپ فرمایا کرتے:-

وودت انی اقتل فی سبیل اللہ ثم احیی ثم اقتل ثم احیی ثم اقتل (البخاری)

ترجمہ:- میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں (جہاد کرتا ہوا) شہید ہو جاؤں اور پھر زندگی پاؤں پھر شہید ہوں پھر زندہ ہوں اور پھر شہید ہو جاؤں۔

ظاہر ہے کہ یہ راہ خدا میں بار بار جہاد کرتے ہوئے شہید ہونے کا شوق خالق کائنات کی محبت کی وجہ سے تھا۔ اور جب محبت الٰہی کا یہ حال ہو تو پھر دل میں دنیا کی کسی نعمت کا شوق سمانا محال ہے یہی وجہ ہے کہ جب عتبہ بن ربیعہ قریش کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ اگر آپ کو کسی بڑے گھرانے میں شادی کا شوق ہو یا دولت کا ذخیرہ مطلوب ہو تو یہ سب کچھ مہیا کیا جا سکتا ہے۔ اور اگر آپ چاہیں کہ آپ کو مکے کی ریاست مل جائے

تو یہ بھی ہو سکتا ہے بشرطیکہ آپ اپنی مبلغانہ مصروفیتوں سے باز آجائیں تو آپ کی طرف سے جواب وہی اعلانِ حق تھا۔ جس کو دبانے کے لیے دنیا کی تمام نعمتیں آپؐ کے قدموں میں ڈالی جا رہی تھیں۔

آج بھی جو شخص مسلمانوں میں مطلوبہ انقلاب پیدا کرنا چاہتا ہے اسے چاہیئے کہ اپنے دل کو خدا کی محبت سے معمور اور اسی کے خوف سے لبریز کرے۔ پھر نہ اسے کوئی ماسوا اللہ کی قوت مرعوب کر سکے گی۔ اور نہ کوئی دنیاوی دلچسپی اُسے اپنی طرف مائل کر سکے گی۔ اور یوں وہ اپنے مقاصد عالیہ کے حصول کی راہ میں ہر آسانی مہیا اور ہر دشواری معدوم پائے گا۔

دوسرا تعلق بالمخلوق

آیئے اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی کے دوسرے پہلو پر نظر ڈالیں سب سے پہلی چیز جو ہمارے سامنے آتی ہے یہ ہے کہ آپ کے دل میں اہل دنیا کی قدر دانی کا خیال کبھی نہ آیا۔ آپؐ نے دنیا والوں سے کبھی کسی ستائش و آفرین یا انعام و مزد کی خواہش ظاہر نہ فرمائی۔ آپؐ نے جو کچھ کیا اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے کیا۔ دنیا والوں کو خوش کرنے یا ان سے کچھ معاوضہ پانے کے لیے کبھی کچھ نہ کیا۔

قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا (الانعام - ۱۱ع)

ترجمہ میں اس (خدمت) پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں۔

قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ (السبا ۴)

ترجمہ:- (اے رسول!) کہہ دیجئے کہ میں تم سے (اپنی خدمت کا) کوئی اجر طلب نہیں کرتا۔ مجھے اجر دینا تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اور وہی ہر چیز کا نگہبان ہے

حسنِ اخلاق

آپؐ کی ذات والا صفات میں وہ تمام خوبیاں بدرجہ اکمل واتم موجود تھیں جو انسانیت کا جوہر ہے چنانچہ قرآن حکیم کا ارشاد ہے:-

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (القلم ۴)

ترجمہ:- (اے رسول!) آپ بلاشبہ اخلاقِ فاضلہ کے بہت بلند درجہ پر فائز ہیں۔

دیانت و امانت ایفائے عہد اور پاسِ وفا۔ پابندی اوقات اور استقامت و استقلال۔ صبر و رضا۔ ہمت و شجاعت۔ عدل و انصاف۔ کون سی ایسی چیز تھی جس میں آپؐ کو کمال حاصل نہ تھا اور جس سے آپؐ کے بدترین دشمن بھی واقف نہ تھے۔ آپؐ کنواری لڑکیوں سے زیادہ باحیا۔ بیماروں کے خبر گیر۔ بیواؤں اور یتیموں کے دستگیر۔ کمزوروں اور ناتوانوں کے معین و مددگار تھے۔ غرباء و مساکین، مسافر اور بے یار و مددگار انسان آپؐ کے فیضِ کرم سے دلشاد ہوتے پیاسی روحیں آپؐ کے در پر آکر تشنہ کامی سے نجات حاصل کرتیں۔

حسنِ سلوک

رسول اللہؐ کا سلوک ایسا تھا کہ ایک بار کی ملاقات سے دشمن بھی دوست بن جاتا۔ خویش و اقارب سب آپؐ پر جانیں فدا کرنے لگے۔ دوست احباب نے اپنے گھربار آپؐ کے ادنے اشارے پر لٹا دیئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے اِس حسنِ سلوک کا ذکر خیر قرآنِ حکیم ان الفاظ میں کرتا ہے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران - ۱۵۸)

ترجمہ:- پس یہ اللہ کی (بڑی ہی) رحمت ہے کہ آپ ان لوگوں کے لیے نرم دل واقع ہوئے ہیں۔ اور اگر آپ سخت مزاج اور سنگ دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے گرد جمع نہ رہتے۔

آپؐ اپنے رفقاءِ کار کے ساتھ ہمیشہ نرمی اور محبت کا

سلوک فرماتے جس کی وجہ سے ان کے قلوب ہمیشہ آپؐ کی طرف مائل رہتے۔ واخفض جناحک للمومنین (الحجر۔ ۸۸)

ترجمہ:۔ مومنوں کے لیے اپنا بازو جھکائے رکھ۔

عفو و درگذر

جب کبھی آپؐ کے رفقاء سے غلطی سرزد ہو جاتی آپؐ درگذر و عفو سے کام لیتے۔ بجز حالات مجبوری جب کہ سزا دینا ناگزیر ہوتا۔ ندامت و پشیمانی کا اظہار کرنے والے گنہگار آپؐ کے فیض و کرم سے فیضیاب ہوتے۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے:۔

فاعف عنھم واستغفر لھم وشاورھم فی الامر (آل عمران: ۱۵۹)

ترجمہ:۔ پس ان (کی خطاؤں) سے درگذر فرمایئے اور ان کے لیے (اللہ تعالیٰ سے) مغفرت طلب فرمایئے۔ اور (بدستور سابق) انہیں معاملات میں اپنا مشیر بنایئے۔

اتحاد و اتفاق

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ساعی حسنہ سے مسلمان ایک جان ہو کر رہتے۔ آپس میں گروہ گروہ ہو کر نہ رہتے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کوششوں سے اللہ تعالیٰ نے ان میں مودت و اخوت کا وہ جذبۂ بے پناہ پیدا کر دیا کہ وہ ایک ایسی سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند ہو گئے جسے حوادث عالم کبھی متزلزل نہ کر سکتے تھے۔

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا واذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بینکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا (آل عمران ۱۰۳)

ترجمہ:۔ اور سب مل جل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو۔ اور جدا جدا نہ ہو جاؤ۔ اور اللہ تعالیٰ کی وہ نعمت یاد کرو کہ تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے درمیان الفت ڈال دی اور تم اس کے فضل و کرم سے آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔

آپؐ ہمیشہ اپنے اہل خانہ اور ہمسایوں سے اچھا سلوک کرنے کی تاکید فرماتے۔ آپ کا ارشاد ہے:۔

"خیرکم خیرکم لاھلہ"

ترجمہ:۔ تم میں سے بھلا آدمی وہ ہے جو اپنے گھر والوں سے اچھا سلوک کرتا ہے۔

یعنی تم میں سب سے اچھا وہ آدمی ہے جو اپنے گھر والوں سے اچھا سلوک کرتا ہے۔

تنظیم قومی

یہ اوصاف حمیدہ تھیں جن کے باعث دنیا حضور علیہ السلام کے گرد شمع وار فدا ہونے کے لیے جمع ہوتی۔ اہل عرب جوق در جوق آتے اور آپؐ کی قیادت میں راہ خدا میں سعی و جدوجہد کرتے۔ جان و مال کی کوئی ایسی قربانی نہ تھی جو اصحابؓ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہ کرتے۔ دنیا کی کوئی مصیبت نہ تھی جو وہ لوگ بہ خندہ پیشانی برداشت نہ کرتے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارک ہی تھی جس سے متاثر ہو کر لوگ راہ خدا میں بخوشی جانیں فدا کرتے۔ پھر ایسے ہی لوگوں کی تعریف میں اعلان ایزدی ہوا کہ:۔

وبشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون ط

ترجمہ:۔ اور ان لوگوں کو بشارت دیدیجیے جب مصیبت آتی ہے تو پکار اٹھتے ہیں۔ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے لئے اور ہم کو بالآخر (مرکر) اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات نے قرن اول کے مسلمانوں سے جو مطالبہ کیا انہوں نے بخندہ پیشانی اسے پورا کیا۔ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں آپؐ نے تنظیم قومی کی جو مثال پیش کی اور مہاجرین و انصار نے اس نظام کو جس طرح چلایا۔ اس کی مثال تاریخ انسانی پیش کرنے سے عاجز ہے۔ ایک ایک مہاجر مسلمان کو ایک ایک انصاری مسلمان کا بھائی بنا دیا گیا۔

اور بھائی ایسا کہ انصاری کے گھر میں اگر دو چار پائیاں تھیں تو اس نے ایک اپنے لیے رکھ لی اور ایک اپنے مہاجر بھائی کو دیدی۔ دوسرے کے گھر میں اگر دو لحاف تھے تو اس نے ایک اپنے لیے رکھ لیا اور دوسرا اپنے مہاجر بھائی کی نذر کر دیا۔

اس جماعت بندی سے مسلمانوں میں قوت پیدا ہوئی اور وہ دنیا کی قہرمانی قوتوں سے مقابلہ کرنے کے قابل ہو گئے جماعت میں نا اتفاقی اور تخریب پیدا کرنے والی قوتوں کو ملیامیٹ کر دیا گیا۔ اس لیے کہ نا اتفاقی سے قوم میں انتشار اور پھر کمزوری اور بزدلی پیدا ہوتی ہے۔ جس کے بعد قوم کی تباہی کا ایک بہت ہی آسان مرحلہ باقی رہ جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کا یہ ایک بڑا ہی روشن پہلو ہے کہ آپؐ نے مسلمانوں کو تمسک بالاسباب کا سبق دیا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ زندگی کی کشمکش میں کامیابی جدوجہد اور سعی و تگ و دو کرنے والوں کو حاصل ہو سکتی ہے۔ جہادِ زندگی میں وہی بامراد و کامران رہیں گے۔ جو اسباب جہاد سے تمسک کرتے ہیں۔ جو اپنے بازوؤں میں طاقت دلوں میں ہمت اور پہلو میں ساز و سامان رکھنے والے ہیں۔ دنیا میں عزت۔ حکومت آزادی اور ہر طرح کا غلبہ انہی کے لیے ہے۔ جو جماعتیں کامیابی کے اصولوں پر کاربند نہیں وہ جہادِ زندگانی میں ناکام و خاسر رہتی ہیں۔

اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی تعلیم میں اس امر پر خاص زور دیا گیا تھا کہ جو جماعتیں دنیا میں عزت و آبرو کی زندگانی بسر کرنا چاہتی ہیں۔ انہیں اپنی حفاظت کا سامان ہر وقت مہیا کرنا چاہیئے۔

واعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم (الانفال ۶۰)

ترجمہ :۔ اور دشمنوں کے لیے ہر وہ قوت جس کی تمہیں استطاعت ہو جمع رکھو۔ جیسا کہ بندھے ہوئے تیار گھوڑے تاکہ تم اس سے اللہ تعالیٰ کے اور اپنے دشمن کو ڈرا سکو۔

اس اصولی حکم کی نافرمانی کا آج یہ نتیجہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمان باوجود اس کے کہ ان کی تعداد نو کروڑ ہے اس وقت ذلت و تباہی کا شکار ہو رہے ہیں۔ کثرتِ تعداد ان کو ہمسایہ قوموں کی دست برد سے بچانے کے کام نہیں آتی۔

اس سلسلہ میں قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ اطاعت اولوالامر کی نافرمانی اور آپس کی پھوٹ قوموں کو تباہ و ہلاک کرنے والی چیزیں ہیں اس موضوع پر ایک جگہ ارشاد ہوا تھا کہ :۔

واطیعوا اللہ ورسولہ ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ریحکم (الانفال ۔ ۴۶)

ترجمہ : اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو۔ اور آپس میں جھگڑے پیدا نہ کرو (اس لیے کہ ایسا کرنے سے) تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری (بندھی ہوئی) ہوا اُکھڑنے کا اندیشہ ہے ؟

یعنی آپس میں جھگڑے پیدا نہ کرو۔ اگر ایسا کرو گے تو تمہاری بندھی ہوئی ہوا اُکھڑ جائے گی۔

جماعت اسلامی میں رخنہ اندازی پیدا کرنا یا اس سے علیحدگی اختیار کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ایک ناقابل معافی جرم تھا۔ یہاں تک کہ ایسا کرنے والا شخص عمر بھر نمازیں پڑھتا رہا ہو۔ حج کرتا رہا ہو۔ روزے رکھتا رہا ہو۔ پھر بھی آپ نے اسے خارج از دائرہ اسلام ہی قرار دیا۔

اب یہ بات قابلِ غور ہے کہ ایک جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی کتاب ہدایت یہ کہتی ہے کہ آپس میں اختلاف پیدا نہ کرو۔ اس لیے کہ ایسا کرنے سے تمہارے دلوں میں بزدلی پیدا ہوگی۔ دوسری جگہ وہی کتاب ہدایت بتاتی ہے کہ جنگ اُحد میں مسلمانوں نے آپس میں اختلاف کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی خلاف ورزی کی اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ جنگ میں ناکام ہوئے۔

حتیٰ اذا فشلتم وتنازعتم فی الامر وعصیتم (آل عمران ۱۲۵)

ترجمہ :۔ یہاں تک کہ تم بزدل ہو گئے اور آپس میں جھگڑا کرنے لگے ایک معاملہ میں، اور نافرمان ہو گئے۔

یہ تمسک بالاسباب کا ایک زبردست مظاہرہ ہے۔ کہ قانونِ الٰہی میدانِ جنگ میں کامیابی کے بعض اصول پیش کرتا ہے۔ اور جب مسلمان ان اصولوں کو نظر انداز کرتے ہیں تو باوجود اس بات کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس مسلمانوں میں موجود ہیں پھر بھی وہ اس بُری طرح ہمتیں ہار کر میدانِ جنگ سے فرار اختیار کرتے ہیں کہ پھر مُڑ کر بھی نہیں دیکھتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح ثابت قدمی کے ساتھ اپنی جگہ پر کھڑے انہیں پکار پکار کر واپس بلا رہے ہیں۔

یہ تمسک بالاسباب کے قانون کی خلاف ورزی کا نتیجہ تھا میدانِ جنگ میں اطاعت اولوالامر اور اپنے فرائض کی ادائیگی کے ازلی و اَبدی قانون کی نظر اندازی تھی۔ جس نے مسلمانوں کی حاصل کردہ فتح کو مبدّل بہ شکست کر دیا۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے اس چیز کا پتہ چلتا ہے کہ آپؐ نے اسلام اور ایمان کا اقرار کرنے والوں سے اوامر و نواہی کی پابندی سختی کے ساتھ کرائی اور انہیں لوگوں کو مسلمین اور مومنین کی جماعت میں شامل سمجھا جو احکامِ الٰہی کی پابندی کرتے اور حدودِ الٰہیہ سے بالارادہ تجاوز نہ فرماتے آج اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسوۂ حسنہ کو ہم اپنے لیے دلیلِ راہ سمجھتے ہیں تو ہمارا فرض ہے کہ ہم زندگی کے ہر شعبہ میں آپ کے اس اسوۂ حسنہ کی پیروی کریں۔ مثال کے طور پر آپ کی لائی ہوئی تعلیم اس بات پر زور دیتی ہے کہ معاملات و نزاعات کے فیصلے مسلمانوں کو قانونِ شریعت کے مطابق کرنے چاہئیں۔ اور اس حد تک اس چیز پر زور دیا گیا ہے کہ قانونِ شرعی کی پیروی کو معیارِ ایمان قرار دیدیا گیا ہے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل آیاتِ قرآنی سے پتہ چلتا ہے :-

فلا وربک لا یومنون حتّٰی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجاً مما قضیت و یسلموا تسلیماً ط (النساء ۔ ۶۵)

ترجمہ :- تیرے رب کی قسم کہ (یہ لوگ) ایماندار نہیں ہو سکتے جب تک کہ تجھے حاکم نہ بنائیں۔ اس چیز کے بارے میں جو اُن کے درمیان وجہ نزاع ہے۔ اور پھر جو کچھ تو فیصلہ دے اس سے ان کے دلوں میں کوئی تنگی کا احساس بھی پیدا نہ ہو۔ اور وہ اس فیصلہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیں۔ جیسا کہ حق ہے۔

اسی طرح سورہ مائدہ کے رکوع سات میں ایک ہی قسم کے الفاظ تین مرتبہ یوں دہرائے گئے ہیں۔

وَمَنْ لَّمْ یحکم بما انزل اللّٰہ فاولٰئک ھم الکٰفرون (المائدہ ۔ ۴۴)

ترجمہ :- جو لوگ اللہ کے قانون کو چھوڑ کر فیصلہ کرتے ہیں بلاشبہ وہ کافر ہیں۔

ومن لم یحکم بما انزل اللّٰہ فاولٰئک ھم الظّٰلمون (المائدہ ۔ ۴۸)

ترجمہ :- جو لوگ اللہ کے قانون کو چھوڑ کر فیصلہ کرتے ہیں بلاشبہ وہ ظالم ہیں۔

ومن لم یحکم بما انزل اللّٰہ فاولٰئک ھم الفاسقون (المائدہ ۵)

ترجمہ :- جو لوگ اللہ کے قانون کو چھوڑ کر فیصلہ کرتے ہیں بلاشبہ وہ فاسق ہیں۔

ان تمام آیاتِ قرآنی سے پتہ چلتا ہے کہ ایمان حدودِ الٰہیہ کی پابندی اور قانونِ ایزدی کی فرمانبرداری کا نام ہے۔ اور ان حدود سے تجاوز اور اس قانون کی نافرمانی کفر، ظلم اور فسق ہے۔

اور پھر یہ چیز بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ احکامِ الٰہی کی پابندی سے جو فوائد مرتب ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات کو ان سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ اگر ہم اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو اختیار کریں تو ہماری زندگیاں ایسی ہوں گی کہ دنیا و مافیہا ہمارے قدموں پر گرے گی۔ اس جہان کی نعمتیں اور آنے والی زندگی کی برکتیں سب ہمارے لیے وقف ہو جائیں گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی پیروی سے نسلِ انسانی کی تمام مصیبتیں خود بخود رفع ہو جائیں گی۔ انفرادی زندگی کے ہر شعبہ میں اصلاح اور جماعتی زندگی کے ہر پہلو میں ترقی ہو گی۔ اس ایک اسوۂ حسنہ کی پیروی سے دنیا کی سیاسی۔ اجتماعی۔ اقتصادی اور علمی ہر طرح کی مصائب کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اس ایک شخصیتِ کبریٰ کی سیرۃ کا مطالعہ

ہمیں بتائے گا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے ساتھ کس طرح صحیح تعلق قائم کرنا چاہیئے اور ماں، باپ، بہن بھائی۔ بیوی بچوں اور دوست اور ہمسایہ سے کیسے برتاؤ کرنا چاہیئے۔ قوم وملت اور ملک ووطن کے کیا حقوق ہمارے ذمہ ہیں۔ عالم انسانی میں امن وامان کیسے قائم ہو سکتا ہے۔ اور مختلف قوموں کو ایک دوسرے کا گلہ کاٹنے سے کس طرح روکا جا سکتا ہے۔ اس سے عورت اور مرد کے تعلقات کی استواری کا سبق سیکھا جا سکتا ہے۔ اور اس سے سرمایہ داری اور محنت کے جھگڑے کو چکایا جا سکتا ہے۔

اجتماعی زندگی نظام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ اس حقیقت کبریٰ کا پتہ بھی دیتا ہے کہ جب تک اجتماعی زندگی امارت شرعیہ کے اصول پر قائم نہ ہوگی۔ دنیا میں کوئی قابلِ قدر کام انجام نہیں دیا جا سکتا۔ آپؐ کی سیرت مبارکہ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ جب تک قوم میں اتحاد عمل۔ یگانگت تمدن اور یک جہتی عمل پیدا نہ ہو۔ اس وقت تک تمام کوششیں جو قومی زندگی کے مختلف شعبوں میں اصلاح کی غرض سے کی جائیں گی۔ سب رائیگاں جائیں گی۔ کوئی قوم اندرونی اتحاد واتفاق کے بغیر کسی بلند مقصد کے حصول کی صحیح کوشش نہیں کر سکتی اس لیے آج وقت کی سب سے بڑی ضرورت ایک ایسی جماعت کا قیام ہے جس کے افراد ایک طرف آپس میں اخوت واتحاد اور اشتراکِ عمل کا بہترین نمونہ پیش کر سکیں اور دوسری طرف ایک قابل امیر کی کامل اطاعت کا عملی ثبوت دے سکیں۔ اور یہ چیز محض سیرت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے اتباع ہی سے پیدا ہو سکتی ہے۔

جماعت مسلمین کی تنظیم جس شخصیت کے گرد ہو سکتی ہے اُسے ان اوصاف کا حامل ہونا چاہیئے جن کی بنا پر بندگان خدا اس کی طرف کھیچے آئیں۔ بلاشبہ ایسی شخصیت معصوم نہیں ہو گی۔ انسانی کمزوریاں اس میں یقیناً موجود ہوں گی۔ اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمان اپنا امیر ایسے بزرگ کو بنائیں جو باوجود ذاتی کمزوریوں کے ایک طرف تعلیم وتمدن وتاریخ اسلام کا بہترین سمجھنے والا ہو۔ اور دوسری طرف مغرب کی سیاسی چالبازیوں اور علمی بلند پروازیوں سے بھی پورا پورا واقف ہو۔ جس کے دل میں دین وملت کا درد بھی ہو۔ اور جس کی ذات سے ایثار جان فروشی کی توقع بھی کی جا سکتی ہو۔ جس کا ایمان سلاطینِ زمان کے دبدبہ اور شوکت وسطوت سے متزلزل نہ ہو سکتا ہو۔ اور جس کے عزائم میں غیر ہمدرد حکومتوں اور دشمنِ اسلام طاقتوں کا جبر وقہر کمزوری پیدا نہ کر سکے جس کا علم مشکوٰۃ نبوت سے مستنیر ہو اور جس کے تفکر وتدبر نے کتاب وسنت کی رہنمائی میں نشوونما پائی ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سیرت مبارکہ کے مطالعہ سے ہمارے اندر اگر اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کا خوف پیدا ہو جائے اور ہم ایک صحیح طور پر منظم جماعتی زندگی اختیار کرلیں تو یقیناً ہم نے اسوۂ حسنہ کی پیروی کے مبارک مقصد کو حاصل کر لیا۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

فتح ونصرت کیلیے ضروری اقدام

مستورات کے ووٹ تقریباً ۴۵ فیصد ہیں۔ بنا بریں مستورات کے پولنگ اسٹیشنوں پر پڑھی لکھی ہوشیار ایجنٹس مقرر کی جائیں جو کہ اپنے محلہ یا بستی کے ووٹران کو پہچانتی ہوں تاکہ جعلی ووٹوں سے کا تدارک ہو سکے۔ مخالفین کا آخری حربہ یہی ہے کہ عورتوں کے جعلی ووٹ بھگتائے جائیں۔ اب وہ ہر طرف سے مایوس ہو چکے ہیں۔ آپ مستورات کے پولنگ اسٹیشنوں کا خاص خیال رکھیں اور اپنی بہتر تدبیروں سے سوشلزم والوں کے ارادے خاک میں ملا دیں۔ یہ الیکشن ایک جہاد ہے۔ شریعت اسلام نافذ کرنے کے لیے اگر صحابہ کرام رض کی بیویاں اگر جہاد میں حصہ لے سکتی ہیں تو ہماری مائیں بہنیں، بیویاں اور لڑکیاں ایسا کیوں نہیں کر سکتیں۔

(سکریٹری مرکزی پارلیمانی بورڈ)

ثمرات الاوراق

(مسلسل)

انتخاب لاجواب

خطیب اسلام مولانا محمد اجمل صاحب مدظلہ، لاہور

شکوہ کا خوف

وہی خاتون دوسرا سوال کرتی ہے۔ اگر بیمار بیماری کی تکلیف سے کراہنے لگے اور شدت الم سے چیخ پکار کرے تو کہیں یہ اللہ کے حضور اس کا شکوہ تو تصور نہیں ہوگا؟

اللہ اکبر۔ ان بزرگوں کو اللہ تعالےٰ کی خوشنودی اس حد تک مدنظر۔ اور اس کی رضا یہاں تک مطلوب ہے کہ ہماری کوئی بات بھی اسے ناگوار نہ ہو۔

امام صاحب فرماتے ہیں اَرْجُوْ اَنْ لَّا یَکُوْنَ۔ یعنی اس کی بے پایاں رحمتوں سے توقع تو یہی ہے کہ ہماری مجبوریوں اور کمزوریوں کے پیش نظر اسے شکوہ قرار نہیں دیں گے بلکہ اسے اپنی طرف رجوع اور التجا ہی کا ایک پیرایہ ٹھہرائیں گے۔

خاتون یہ سن کر رخصت چاہتی ہے۔ امام صاحب اجازت فرما دیتے ہیں اور وہ چل دیتی ہے۔

نسخہ کیمیا

حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ کے مجموعہ وصایا میں ایک وصیت یہ بھی ہے۔ سَلَامَۃُ الْجَسَدِ فِیْ قِلَّۃِ الطَّعَامِ۔ وَسَلَامَۃُ الرُّوْحِ فِیْ تَرْکِ الْاَنَامِ۔ وَسَلَامَۃُ الدِّیْنِ فِی الصَّلٰوۃِ عَلٰی مُحَمَّدٍ سَیِّدِ الْعَالَمِیْنَ علیہ الصلوٰۃ والسلام

ترجمہ: (۱) بدن کی صحت تقلیل غذا میں ہے۔

۲۔ اور روح کی سلامتی لوگوں سے تعلقات چھوڑنے میں ہے۔

۳۔ اور دین کی سلامتی سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے میں ہے۔



گردشِ ایام

فراغت اور آسودگی کا دور تھا، کھانے پینے کی ریل پیل، ماکولات و مشروبات کا تنوع، فراخیٔ عیش اور بے فکری۔ میاں بیوی مرغ بھنا ہوا سامنے رکھے ہوئے کام و دہن کی لذت حاصل کر رہے تھے۔ اچانک دروازے پر ایک فقیر بے نوا، فاقوں کا شکار، صدا بلند کرتے ہوئے آیا۔ بیوی نے شوہر سے کہا کہ سائل کو کچھ دے دو مگر شوہر نے برافروختہ ہو کر سائل کو سخت سست کہا اور جا کر دھکا دے کر دروازے سے نکال دیا۔ اس نے ایک سرد آہ کھینچی اور بادیدہ گریاں چلا گیا۔

اب خدا کا کرنا ایسا ہوا حالات میں تبدیلی آنی شروع ہوئی۔ نوبت بایں جا رسید کہ نان شبینہ کا محتاج ہو گیا۔ اور غربت و افلاس کی وجہ سے بیوی کو طلاق دینی پڑی۔ بیوی نے کسی دوسرے آدمی سے شادی کر لی۔

اتفاق سے ایک روز وہی خاتون اپنے نئے شوہر کے ساتھ کھانا کھا رہی تھی۔ وقت وہی جھٹ پٹا سا تھا فراغت اور آسودگی تھی۔ دسترخوان پر سامنے بھنے ہوئے چوزے۔ اچانک صدا ایک فقیر نے لگائی۔ شوہر نے بیوی کو اشارہ کیا کہ دے آؤ۔ دروازے پر پہنچی تو حیرت سے کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ یہ بدنصیب پہلا شوہر تھا۔ جو آج اپنی مطلقہ بیوی کے دروازے پر دریوزہ کرنے آیا تھا۔ روتی ہوئی دروازے سے واپس آئی۔ خاوند نے ماجرا دریافت کیا تو اس نے روتے ہوئے جواب دیا کہ دروازے پر آنے والا سائل میرا پہلا خاوند ہے جو ایک بہت امیر کبیر آدمی تھا لیکن آج کشکول گدائی ہاتھ میں لیے دربدر بھیک مانگ رہا ہے۔ اور اسی طرح ایک شام کو

ہم دونوں دستر خوان پر مرغ بریان وغیرہ تناول کر رہے تھے کہ ایک فقیر بے نوا نے صدا لگائی تو اس نے سائل کو ڈانٹا اور طمانچہ رسید کیا۔ چنانچہ حالات نے پلٹا کھایا۔ اور آخر کار مجھے بھی افلاس کے باعث طلاق دے دی۔

تو موجودہ شوہر نے یہ داستان سن کر کہا کہ وہ تھپڑ کھانے والا مظلوم سائل میں ہی تھا۔

قادرا قدرت تو داری ہرچہ خواہی آں کنی

؎ بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن

اجابت از درِ حق بہرِ استقبال مے آید

(شرح اربعین للفشنیؒ)

محدث اعظم حضرت ابوبکر بن عیاشؒ

آپ دوسری صدی ہجری کے ایک جلیل القدر بزرگ ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مبارک اور عبدالرحمان بن مہدی اور علی بن المدینی جیسے آئمہ حدیث اور اساطین علم آپ کے تلامذہ میں سے ہیں۔ اور امام بخاریؒ، امام مسلمؒ آپ کے شاگردوں کے شاگرد ہیں۔ امام نووی نے مسلم شریف کی شرح میں ان کے صاحبزادے ابراہیم کی روایت سے نقل کیا ہے کہ والد ماجد نے مجھ سے فرمایا۔ خدا کا فضل ہے کہ تمہارے باپ سے کبھی بھی بے حیائی اور بد اخلاقی کا کوئی عمل سرزد نہیں ہوا (یعنی اللہ تعالے نے ہر قسم کے فواحش سے میرا دامن پاک رکھا)

اور توفیق ایزدی سے میرا تیس سالہ معمول ہے کہ روزانہ ایک قرآن مجید ختم کر لیتا ہوں۔

اور نیز آپ کے متعلق مروی ہے کہ ایک دفعہ آپ نے اپنے صاحبزادے سے ناصحانہ انداز میں فرمایا۔ کہ دیکھو بیٹا! تم سے اس حجرے میں کوئی معصیت سرزد نہ ہو۔ میں نے اس حجرے میں بارہ ہزار دفعہ قرآن مجید ختم کیا ہے۔ (یعنی قرآن پاک کے جو انوار اس حجرہ کے در و دیوار اور اس فضا میں سرایت کر گئے ہیں۔ ان کی حرمت کا حق ہے کہ اس حجرہ میں اللہ تعالے معصیت نہ ہو)

انتقال کے وقت ان کی صاحبزادی رونے لگی تو آپ نے فرمایا۔ بیٹی! مت روؤ۔ رونے کی کوئی بات نہیں۔ کیا تمہیں اس بات کا ڈر ہے کہ اللہ تعالے تمہارے باپ کو عذاب میں مبتلا کرے گا۔ میں نے اپنے گھر کے اس گوشہ میں چوبیس ہزار دفعہ قرآن پاک ختم کیا ہے (اس لیے مجھے اور تجھے اپنے ارحم الراحمین مالک سے رحمت و مغفرت ہی کی امید رکھنی چاہیے)

نیز آپ کے متعلق آپ کے ہمعصر جلیل القدر امام یزید بن ہارون کا بیان ہے کہ لَمْ يَقَعْ جَنْبُهُ إِلَى الْأَرْضِ أَرْبَعِيْنَ سَنَةً۔ چالیس سال تک انہوں نے اپنا پہلو زمین سے نہیں لگایا۔ (یعنی لیٹے ہی نہیں)

(ماخوذ از شرح مسلم للنووی)

بادشاہ کی پیشکش اور بندۂ خدا کا انکار

ہمایوں بادشاہ کے عہد میں میاں قاضی صاحب ظفرآبادی ایک عالم متبحر اور صوفی کامل ہو گزرے ہیں۔ ہمایوں ان کے علم و فضل اور اخلاق حسنہ اور اعمال فاضلہ کی وجہ سے بیحد عقیدت مند تھا۔ کئی دفعہ نذرانے، ہدایا، تحائف بھیجے۔ اور کئی دفعہ جاگیرات دینے کی پیش کش کی۔ لیکن آپ ہمیشہ انکار ہی کرتے رہے۔ ایک دفعہ ہمایوں نے ایک سفید کاغذ اپنی مہر کے ساتھ آپ کی خدمت میں بھیجا اور عرض کیا کہ آپ اس کاغذ پر جو کچھ تحریر فرمائیں گے مجھے اس کے دینے میں انکار نہ ہوگا۔ آپ نے کاغذ اور مہر واپس بھیج کر لکھا:

"مارا احتیاج نیست۔ بے احتیاج حق مسلماناں گرفتن روا نہ باشد۔ و ما در خدمتِ مرشد خود عہد کردہ ایم ؎

از خدا خواہم و از غیر نخواہم بخدا

کہ نیم بندۂ غیر و نہ خدائے دگر است

بادشاہ نے حکم دیا کہ یہ کاغذ اپنے فرزندوں کو عنایت کیجیے۔ کہ شاید ان کو ضرورت ہو۔ فرمایا یہ ان سے پوچھنا چاہیے۔ جب بادشاہ کا فرمان ان کے بڑے فرزند شیخ عبداللہ کے پاس پہنچا تو انہوں نے کہا کہ جب باپ بزرگوار نے قبول نہیں کیا تو بیٹا کس طرح اس کی متابعت سے سرتابی کر سکتا ہے۔ اس لیے مجھے بھی انکار ہے۔

میاں قاضی خان ظفرآبادی نے ۹۷۵ھ میں وفات پائی۔

شاہ عبدالعزیز

(۱۷۴۶ — ۱۸۲۳ء)

شاہ ولی اللہ کی کوششوں سے ہندوؤں کی قوت پانی پت کی تیسری جنگ کے بعد ختم ہو چکی تھی۔ مغل حکومت کو زندہ رہنے کا سہارا بھی مل گیا تھا۔ لیکن بدقسمتی سے ہندوستان کے پورب میں ایک نیا دشمن ابھر رہا تھا ——— اور وہ تھا انگریز۔

سات سمندر پار مغرب میں رہنے والی یہ قوم ہندوستان کو ہمیشہ سے سونے کی ایک چڑیا سمجھتی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ اسے پوری طرح ہڑپ کرے۔ اس کی یہ کوشش بہت زمانے سے جاری تھی۔ ۱۶۰۸ء میں انگریزوں نے کیپٹن ہاکنز کو جہانگیر کے دربار میں بھیجا۔ مقصد یہ تھا کہ وہ کسی طرح سورت میں کارخانہ قائم کرنے کی اجازت حاصل کرلے۔ جہانگیر نے یہ درخواست قبول نہیں کی مگر کیپٹن کے اصرار پر انگریز سفیر سر تھامس راؤ کو دہلی میں رہنے کی اجازت دے دی۔ تین سال تک وہاں رہنے کے باوجود یہ انگریز مغل بادشاہ کو قابو میں نہیں کر سکا۔ البتہ چھوٹی موٹی تجارت کرنے کا پروانہ مل گیا۔

انگریزوں نے اسی کو غنیمت سمجھا اور بنگال میں تجارت شروع کر دی۔ ۱۶۱۱ء میں کلکتہ کے قریب ہگلی میں انہوں نے اپنا دفتر بھی بنایا۔ کئی سال بعد گولکنڈہ کے حاکم سے تجارت کرنے کی اجازت حاصل کر لی۔ اس طرح جنوبی ہندوستان میں بھی ان کا قدم جم گیا۔

یہ بدیسی لوگ اصل میں گرم مصالحہ، سوتی اور ریشمی کپڑے کی تلاش میں ہمارے ملک آئے تھے۔ یہاں آکر انہوں نے اپنی قوت بڑھانی شروع کر دی۔ آہستہ آہستہ ساحلی علاقوں پر قبضہ بھی کرنے لگے۔ یہاں تک کہ ۱۶۳۹ء میں مدراس کی بندرگاہ ان کے قبضے میں آگئی۔ وہاں انہوں نے سینٹ جارج نامی ایک مضبوط قلعہ بنایا۔ یہ انگریزوں کا پہلا فوجی مورچہ تھا۔

انگریز برِّصغیر پر رفتہ رفتہ چھانے لگے۔ وہ حکومت کے کام میں بھی دخل دینے لگے۔ سستے سے سستا سامان حاصل کرنے کے لیے انہوں نے عوام کو تنگ کرنا شروع کر دیا۔ اس واقعہ کا آنکھوں دیکھا حال ایک انگریز تاجر ولیم بولٹس نے یوں بیان کیا ہے:۔

"انگریز اپنے کالے ایجنٹوں کے ذریعہ یہ طے کر دیتے ہیں کہ ہر کاریگر کتنا سامان مہیا کرے گا اور اسے اس کی کیا قیمت ملے گی۔ اگر وہ یہ قیمت لینے سے انکار کردے جو اسے دی جاتی ہے تو اس کی مشکیں کس دی جاتی ہیں۔"

غریب عوام پر انگریزوں کا جو ظلم ہو رہا تھا۔ اس کا اندازہ بنگال کے نواب کے ایک خط سے ہوتا ہے:۔

"انگریز تاجر چوتھائی قیمت دے کر رعیت اور دیسی تاجروں کا سامان اور غلہ زبردستی چھین لیتے ہیں۔ اپنی چیزوں کا پانچ روپے وصول کرتے ہیں جو مشکل سے ایک روپے کی ہوتی ہے۔"

یہ سب کچھ تو ہو ہی رہا تھا۔ اتفاق سے ایک ایسا واقعہ ہوا جس نے انگریزوں کو لوٹ کھسوٹ کی پوری آزادی دے دی۔ ۱۷۱۸ء میں مغل بادشاہ فرخ سیر کی لڑکی آگ سے بُری طرح جل گئی۔ شاہی حکیموں نے لاکھ کوشش کی، لڑکی کا زخم اچھا نہ ہو سکا۔ بادشاہ بہت پریشان تھا انگریزوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا۔ جھٹ سے اپنے ڈاکٹر ہملٹن کو دہلی بھیج دیا۔ اس کے علاج سے لڑکی اچھی ہو گئی۔ بادشاہ ڈاکٹر کی صلاحیت سے بہت خوش ہوا۔ دستور کے مطابق اسے انعام میں سونا اور جواہرات دینا چاہا مگر ڈاکٹر نے یہ سب لینے سے انکار کر دیا اور اتنا کہا:۔

"انگریز تاجروں سے جو ٹیکس لیے جاتے ہیں وہ معاف

کر دیے جائیں گے۔

بادشاہ نے ڈاکٹر کو محروم کرنا نہیں چاہا۔ اس کی یہ خواہش منظور کر لی گئی۔

یہ انگریزوں کی سوچی سمجھی اسکیم تھی۔ وہ مسلمان بادشاہوں کی فیاضی جانتے تھے۔ چنانچہ ڈاکٹر کے ذریعہ ٹیکس معاف کرا لیا۔ پھر کیا تھا۔ انہیں لوٹ کھسوٹ کا اچھا موقع مل گیا۔ وہ تیزی سے پورے ہندوستان میں اپنے قدم جمانے لگے۔

شاہ ولی اللہ کے بڑے لڑکے شاہ عبدالعزیز دہلی میں بیٹھے برِ صغیر کے اس بدلتے ہوئے نقشے کو دیکھ رہے تھے۔ وہ اس خاندان کے فرد تھے جس نے پاک و ہند کے مسلمانوں کی رہنمائی کی تھی۔ اب یہ ذمہ داری ان کے اوپر آچکی تھی اور وہ اس کو پورا کرنے کے لیے بے چین بھی تھے۔

شاہ عبدالعزیز ایک مجاہد تھے۔ انہیں اپنے وطن سے محبت تھی مگر وہ اس حقیقت کو خوب سمجھتے تھے کہ برِ صغیر میں انگریزوں کا سکہ جم چکا ہے۔ ان کے مقابلے میں مسلمان بادشاہ کی کوئی حیثیت نہیں۔ کسی ریاست کا حاکم بھی اس قابل نہیں کہ انگریزوں کو دیس سے نکال سکے۔

دوسری طرف عوام بھی بہت ہمت ہر چکے تھے۔ ان میں کوئی جان باقی نہ تھی۔ وہ حیران و پریشان کھڑے آنسو بہا رہے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کریں۔

ایسے حالات میں شاہ عبدالعزیز آگے بڑھے۔ وہ سوئی ہوئی قوم کو انگریزوں کے خلاف جہاد کے لیے تیار کرنا چاہتے تھے۔ مگر تھے دور اندیش! انگریزوں سے کھلم کھلا ٹکرانا نہیں چاہتے تھے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے مذہب کا سہارا لیا۔ اور ایک فتویٰ اس قسم کا جاری کیا:۔

"مسلمان اب دارالحرب میں ہیں"

دارالحرب سے مراد ایسا ملک ہے، جہاں غیر مسلموں کی حکومت ہو۔ مسلمانوں کو مذہبی کام کرنے سے روکا جائے۔

اس فتوے کے مطابق مسلمانوں کے لیے اب دو ہی راستے تھے۔ یا تو ہجرت کر جائیں یا پھر آزادی حاصل کریں۔ ظاہر ہے وطن چھوڑ کر جانا ممکن نہ تھا۔ لازمی طور پر یہیں رہنا اور آزاد رہنا تھا۔

شاہ عبدالعزیز کا یہ فتویٰ حقیقت میں جنگ آزادی کی پہلی آواز تھی۔ اس کے ذریعہ انہوں نے مسلمانوں کو بتایا کہ جب ملک غلام بن جائے، جب باہر والے ہماری آزادی چھین لیں تو اس صورت میں جنگ ضروری ہے اور اس میں ہر ایک کو حصہ لینا چاہیئے۔

فتویٰ کے اعلان کے ساتھ ساتھ قوم کو بیدار بھی کرنا تھا۔ اس کے لیے شاہ عبدالعزیز نے نہایت آسان زبان میں کئی کتابیں لکھیں۔ ان کے ذریعہ عام مسلمانوں میں دین کا سچا جذبہ پیدا ہوا۔ اس کام کے علاوہ انہوں نے دہلی جیسے بڑے شہر میں بڑے بڑے مجمعوں کے سامنے پابندی سے وعظ کہنا شروع کیا۔ مسلمانوں کے مایوس دلوں میں امید کی روشنی پیدا کی۔

اتنا ہی کافی نہ تھا۔ باضابطہ جہاد کے لیے ایک فوجی قائد کی ضرورت تھی۔ ایسا قائد جو بہادر ہو، سچا مسلمان ہو، وطن سے محبت رکھتا ہو، جنگ کے تمام طریقوں سے واقف ہو۔ شاہ عبدالعزیز ایسے جانباز کی تلاش میں تھے اور انہیں اس کام کے لیے سید احمد جیسا شخص مل گیا۔

جیسا کہ کہا جاتا ہے۔ شاہ عبدالعزیز کے مشورے سے وہ ٹونک گئے اور امیر محمد خاں کی فوج میں رہ کر تربیت حاصل کی۔ واپس آنے پر انہیں کہا گیا کہ وہ پورے ملک کا دورہ کریں۔ جگہ جگہ جا کر لوگوں کو جہاد کے لیے تیار کریں۔ روپیہ جمع کریں۔ رضا کار بھرتی کریں۔

یہ کام اس زمانے میں بہت مشکل تھا۔ آمد و رفت کی سہولت نہ تھی۔ مہینوں کے سفر کے بعد آدمی ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچتا ہے مگر تعریف کے قابل تھے شاہ عبدالعزیز اور اُن کے ساتھی انہوں نے اتنے منظم طریقے سے ملک میں بیداری کی لہر پیدا کی کہ انگریزوں کو اس کی ہوا تک نہ لگی۔

شاہ عبدالعزیز اچھی سمجھ بوجھ کے آدمی تھے۔ وہ قوم کی نبض پہچانتے تھے۔ زمانے کے مزاج سے آگاہ تھے۔ ان کی صلاحیت کا اعتراف انگریز مورخ سر ولیم ہنٹر نے اس طرح کیا ہے:۔

"وہ اپنے وقت کے بہت بڑے مسلمان دور اندیش تھے"

علمی لحاظ سے بھی ان کا مقام بہت بلند تھا۔ اس کا اندازہ ایک انگریز جسٹس اوکینلی کی اس تحریر سے ہوتا ہے:۔

"اس وقت ہندوستان میں شاہ عبدالعزیز ایک مانے ہوئے عالم دین تھے۔ ان کی شہرت ہندوستان سے باہر تک پھیلی ہوئی تھی۔ عرب کے علماء انہیں سراج الہند، یعنی ہند کا آفتاب کہتے تھے۔ یہ ہندوستان کے مسلمانوں ر

حضرت سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی

مستورات کے لیے ضروری نصیحتیں

(محمد شفیع عمر الدین (میرپور خاص، سندھ))

(قسط چہارم (آخری))

شرط پنجم جو عورتوں کی بیعت میں فرمائی گئی ہے وہ بہتان کی بری عادت عورتوں میں زیادہ ہوتی ہے اس لئے خاص طور سے ان کو منع کیا گیا ہے یہ عادت سب بری عادتوں سے زیادہ بری ہے۔ اور سب بداخلاقیوں میں سے زیادہ بری بداخلاقی ہے۔ کیونکہ اس میں جھوٹ شامل ہوتا ہے جو سب دینوں میں حرام اور برا ہے۔ نیز اس میں مومن کی ایذا کا پہلو بھی ہے، جس کی نسبت بہتان و افترا باندھا گیا ہے اور مومن کو ایذا پہنچانا حرام ہے اور زمین میں فساد برپا کرنے کا ذریعہ ہے جو قرآن شریف کی رو سے منع، حرام اور برا ہے۔

شرط ششم معصیت اور حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی مخالفت ہے۔ یہ شرط ہر امر میں فرمانبرداری کی حامل ہے۔ اس میں شریعت کے سب اوامر (کرنے کے کام) آجاتے ہیں۔ خواہ ان کا تعلق نماز، زکوٰۃ روزہ یا حج سے ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ، اور جو کچھ اللہ تعالیٰ سے پہنچا ہے اس پر یقین کے ساتھ ایمان لانے کے بعد، اسلام کی بنیاد ان چار رکنوں (نماز، روزہ، زکوٰۃ و حج) پر ہے۔

پنجگانہ نمازیں، سستی اور فتور کے سوا، پوری کوشش سے ادا کرنی چاہئیں۔ اور مال کی زکوٰۃ رغبت اور منت (اللہ تعالیٰ کا احسان مان کر) زکوٰۃ کے مصارف میں ادا کرنی چاہئے۔

اور رمضان کے روزے، جو سال بھر کے گناہوں کو مٹانے والے ہیں، ان کو نگاہ میں رکھنا چاہئے۔

اور حج بیت اللہ شریف بھی بجالانا چاہئے۔ اس بارے میں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

اَنَّ الْحَجَّ یَهْدِمُ مَا کَانَ قَبْلَهُ (تمہید مسلم ص۷۶)

ترجمہ:۔ حج اس سے قبل کے ہوئے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

(یہ سب ارکان بجا کر) اسلام کو قائم کرنا چاہئے۔

اور اسی طرح "ورع و تقویٰ" (پرہیزگاری) کے بغیر چارہ نہیں۔ کیونکہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

مِلَاکُ دِیْنِکُمُ الْوَرَعُ۔ (تمہارے دین کا مدار تقویٰ پر ہے)

اور تقویٰ سے مراد شرع میں منع کی ہوئی سب چیزوں کو ترک کرنا ہے مسکرات (نشہ والی چیزوں) کے کی نے پینے سے اجتناب کرنا چاہئے۔ ان سب نشہ والی چیزوں کو شراب کی مانند حرام اور برا جاننا چاہئے۔

اور غنا (سرود اور گانوں بجانوں) سے بچنا بھی ضروری ہے۔ غنا لہو و لعب میں داخل ہے۔ اس کے بارے میں آیا ہے کہ:۔

(اَلْغِنَاءُ رُقْیَةُ الزِّنَا یعنی غنا زنا کا منتر ہے[1]

غیبت اور نکتہ چینی کرنے سے بھی اجتناب کرنا لازم ہے، کیونکہ یہ بھی شریعت میں منع ہیں۔ نیز مومن کے ساتھ مسخری کرنا، اسے ناحق ایذا پہنچانا کسی طرح سے بھی ہو، منع ہے۔ ان سے اجتناب کرنا بھی ضروری ہے۔

اور بدشگونی کا اعتبار نہ کریں۔ اور اس میں کوئی تاثیر نہ سمجھیں۔

اور یہ بھی جان لیں کہ ایک کا مرض دوسرے کو لگ جانا صحیح بات نہیں ہے۔

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باتوں سے منع

۱ ریڈیو و ٹیلیویژن پر گانے سننے سے بچیں۔

فرمایا ہے - لَا طِیَرَۃَ وَلَا عَدْوٰی -
یعنی شگون بد نہیں ہے - اور نہ ہی ایک کا مرض دوسرے کو لگتا ہے - لہٰذا یہ دونوں باتیں مطلق ثابت نہیں ہیں -

کاہن (غیب کی خبریں بتانے والے) اور نجومی کا اعتبار نہ کریں - اور ان سے غیب کی باتیں نہ پوچھیں - اور ان کو غیبی امور کا عالم نہ جانیں - کیونکہ شریعت نے مبالغہ کے ساتھ اس سے منع فرمایا ہے -

جادو نہ کریں - اور جادوگر کو کوئی کام کرنے کے لئے نہ کہیں - کیونکہ یہ فعل قطعی حرام ہے - اور کفر میں قدم راسخ رکھتا ہے "سحر و ساحری" (جادو اور جادوگری) سے بڑھ کر کوئی اور کبیرہ گناہ کفر کے نزدیک نہیں - اس بارے میں احتیاط کرنی چاہیئے کہ اس فعل کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا کام نہ ہونے پائے - کیونکہ شرع میں آیا ہے کہ جب تک مسلمان اسلام پر قائم ہے، تب تک اس سے جادو وجود میں نہیں آتا - اور جب ایمان سے جدا ہو جاتا ہے - تب اس سے جادو صادر ہوتا ہے - اللہ تعالےٰ اس سے اپنی پناہ میں رکھے پس گویا جادو اور ایمان ایک دوسرے کی ضد ہیں - اگر جادو ہے تو ایمان نہیں ہے - اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین رکھنا چاہیئے، تاکہ ایمان کے کارخانے میں خلل نہ پڑ جائے - اور اس عمل کی نحوست سے اسلام ہاتھ سے نہ نکل جائے -

حاصل کلام جو کچھ حضرت مخبر صادق رسول کریم صلی اللہ علیہ نے فرمایا ہے - اور حضرات علماء کرام نے شریعت کی کتابوں میں بیان فرمایا ہے اس پر دل و جان سے عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے اور اس کے برخلاف عمل کو "سم قاتل" (ہلاک کرنے والا زہر) جاننا چاہیئے، تاکہ ابدی موت[1] تک نہ پہنچا دے - اور قسم قسم کے عذابوں میں مبتلا نہ کر دے -

اور جب بیعت کرنے والی عورتوں نے ان سب شرطوں کو قبول کر لیا - تو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً سے ان کو بیعت فرمایا - اور اللہ کے حکم کے مطابق ان کیلئے مغفرت طلب فرمائی - وہ استغفار جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالےٰ کے حکم سے کسی جماعت کے لئے طلب کریں - اس کے قبول ہونے کی پوری امید ہے - اور جس جماعت کے حق میں استغفار کی گئی ہو وہ جماعت مغفور ہوگی -

حضرت ہندہ زوجہ ابوسفیان رضی اللہ عنہا بھی اس بیعت میں شامل تھیں - بلکہ عورتوں کی اس جماعت کی سردار تھیں - اور ان عورتوں کی طرف سے وہ باتیں کرتی تھیں - لہٰذا اس بیعت اور آپ کی استغفار سے ان کے حق میں بڑی امیدواری ہے -

(لہٰذا اب) جو عورتیں ان شرطوں کو مان لیں، اور ان کے موافق عمل کریں - وہ بھی حکماً اس بیعت میں داخل ہو جاتی ہیں -

اللہ تعالےٰ نے فرمایا -
مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِــيْمًا ۝ (النساء آیت ۱۴۷)

ترجمہ :- اللہ تمہیں سزا دے کر کیا کرے گا - اگر شکر گزار ہو - اور ایمان لے آؤ - اور اللہ قدردان جاننے والا ہے - یعنی اللہ تعالےٰ تمہیں عذاب کرنے سے کیا کام ہے - اگر تم شکر بجا لاؤ - اور اپنا ایمان صحیح کر لو -

"شکر" بجا لانے کا مطلب احکام شرعیہ کا قبول کرنا ہے - اور ان احکام پر عمل کرنا ہے - (شکر صرف زبانی کلمہ ادا کرنے پر منحصر نہیں) نجات و خلاصی کا طریقہ اعتقاد اور عمل میں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہی پر منحصر ہے -

پیر و استاد اس غرض سے پکڑتے ہیں کہ شریعت کی طرف ہدایت و راہنمائی حاصل ہو اور ان کی برکت سے شریعت کے اعتقاد و عمل میں آسانی اور سہولت پیدا ہو - یہ مطلب نہیں (کہ مریدوں کو آزادی حاصل ہو کہ) جو چاہیں وہ کریں - اور جو چاہیں وہ کھائیں پئیں (اور شرعی حدود کا خیال نہ رکھیں) اور پیران کے لئے ڈھال بن جائیں گے - اور ان کو عذاب سے بچا لیں گے - ایسا مطلب سمجھنا ایک لکھی تمنا ہے - وہاں رقیاً مثلے

(باقی ۳۲ پر)

[1] "ابدی موت" سے مراد دوزخ کی زندگی ہے - اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى - (اعلیٰ آیت ۱۳) ترجمہ :- پھر اس میں نہ مرے گا نہ جیئے گا - (حاشیہ حضرت مولانا بشیر احمد عثمانیؒ) یعنی نہ ہی موت آئے گی کہ تکلیفوں کا خاتمہ کر دے - اور نہ ہی آرام کی زندگی ہوگی جس کے مقابلہ میں موت کی تمنا کرے گا -



از امام اہلسنت شیخ الحدیث حضرت

مولانا محمد اسحٰق صاحب صدیقی ندوی

سابق مہتمم ندوۃ العلماء لکھنؤ

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین و خاتم النبیین محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ وازواجہ وذریتہ اجمعین. اما بعد ادیان و مذاہب کے درمیان اگر آپ ان کے تفصیلی مطالعہ کے بغیر اولین نظر میں فرق معلوم کرنا چاہیں تو ان میں سے ہر ایک کے کلمہ کو دیکھ لیجئے. جن مذاہب کا کلمہ الگ الگ ہے وہ مذہب بھی الگ الگ ہیں. اور ان کے درمیان وحدت کا تصور کرنا بھی غلطی ہے خواہ ان کے درمیان بعض امور مشترک کیوں نہ نظر آئیں جن دو مذہبوں کا کلمہ ایک ہے ان کے درمیان اولین نظر میں وحدت کا تصور قائم کرنا پڑتا ہے. اور ان کے درمیان فرق معلوم کرنے کے لئے ان کے کلمہ کی تفصیل و تشریح میں غور کرنا لازم ہے. یہ اصول اس واقعہ پر مبنی ہے کہ کسی دین و مذہب کا کلمہ اس مخصوص مضمون و معنی کے حامل ان مخصوص الفاظ سے عبارت ہوتا ہے جو اس دین کی اصل بنیاد اور اس کی پوری تعلیم کا سرچشمہ ہوتا ہے. بدیہی بات ہے کہ ادیان کی بنیاد اور ان کی تعلیم کا سرچشمہ ہی الگ الگ ہو تو وہ کبھی ایک نہیں ہو سکتے. ہر مذہب کا کلمہ ہی اس کی اصل بنیاد ہوتا ہے. کوئی عمارت بغیر بنیاد قائم نہیں رہ سکتی. جس دین کا کلمہ نہ باقی رہے وہ باقی نہیں رہ سکتا. اگر کلمہ بدل دیا جائے تو دین بھی بدل جائے گا.

کلمۂ اسلام

سب مسلمان بھائی جانتے ہیں کہ کلمہ اسلام یہ ہے.

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں. اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں.

اس کا نام کلمہ طیبہ بھی ہے. جس طرح پورا درخت ایک بیج میں پنہاں ہوتا ہے اسی طرح پورا دین اس کلمہ طیبہ میں پوشیدہ ہے. یہ دین اسلام کی بنیاد بھی ہے اور اس کا خلاصہ بھی. درحقیقت اسلام کے سب اصول و فروغ اسی کی تشریح و تفصیل ہیں. اور یہی دین حق کا جوہر تابان ہے جو اس کا امتیاز ہے اور جو دین اسلام کو دنیا کے سب مذاہب سے ممتاز کرتا ہے. اس کے مضمون یا الفاظ میں کسی کی طرف سے کوئی تبدیلی کسی قیمت پر بھی نہیں منظور کی جا سکتی. اس میں تغیر کو گوارا کرنا اپنی دینی موت اور اسلام سے غداری کے مترادف ہے. جس گروہ کا کلمہ الگ ہے اور وہ اپنے دین کی بنیاد اس کلمہ کے بجائے کسی دوسرے کلمہ پر رکھتا ہے اسے ہم سے اور اسلام سے کوئی تعلق نہیں اگرچہ وہ دعویٰ اسلام کا کرتا ہو. جب بنیاد ہی الگ ہے تو وحدت کے کیا معنی؟

کلمہ طیبہ کا مطلب و مفہوم

کلمہ طیبہ کلمہ اسلام ہے. جسے سچا سمجھ کر پڑھ لینے سے کافر مسلمان ہو جاتا ہے. اور جہنم کے کنارے پر کھڑا ہوا سراپا گندگی، آدمی بالکل پاک ہو کر جنتی ہو جاتا ہے. اس کی حفاظت ہر مسلمان پر فرض عین ہے اور اس کی حفاظت کے لئے جان و مال، عزت و آبرو، ہر چیز قربان کر دینے کے لئے ہر مسلمان کو ہر وقت تیار رہنا چاہیئے. اس کے ساتھ اسے سمجھنا بھی فرض اور واجب ہے. یہی مومن کا نور ہے. اسی روشنی میں اسے راہ زندگی طے کرنا چاہیئے. مسلمان کی زندگی کلمہ والی زندگی ہونا چاہیئے. اس کے افکار و خیالات اخلاق و عادات اور اعمال و اقوال سب کو اس کلمہ کے مطابق ہونا لازم ہے. کوئی چیز اس کے تقاضے کے خلاف نہ ہونا چاہیئے... کلمہ والی زندگی اختیار کرنا اسی صورت میں ممکن ہے جب ہم کلمہ کا مطلب سمجھیں. اسی بنیادی اور اہم بات سے ناواقف اور غافل رہنا سخت نادانی ہے. اس کا ترجمہ تو اوپر مذکور ہے. اسے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کلمہ میں دو عظیم الشان اور اہم

تمہیں مضمون بیان فرمائے گئے ہیں جن میں پہلا عقیدۂ توحید اور دوسرا عقیدۂ رسالت۔

عقیدۂ توحید

کلمہ شریف کا جزو اول بتا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ صرف اللہ تعالیٰ معبود حقیقی ہیں۔ یعنی اس بات کے مستحق ہیں کہ ان کی عبادت کی جائے۔ اسی سے سمجھ میں آجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کے مثل کوئی نہیں ہے کیونکہ اگر العیاذ باللہ ان کے مثل کوئی اور ہوتا تو وہ بھی معبود بننے کے لائق ہوتا۔ اس مضمون کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مبین میں صراحت کے ساتھ اس طرح بیان فرمایا ہے۔

لیس کمثلہ شیئ (الشوریٰ)

ان کا (یعنی اللہ تعالیٰ کا) کوئی ایسا نہیں ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات یگانہ و یکتا ہے اور کوئی دوسری ذات اس کے مثل موجود نہیں نہ ہو سکتی ہے۔ اسی طرح ان کی ہر صفت یگانہ و یکتا ہے۔ ان کی کسی صفت کے مثل کوئی صفت کسی میں نہیں پائی جاتی اور نہ پائی جا سکتی ہے ان کی ذات اقدس بھی بے نظیر و بے مثال اور ان کی ہر صفت بھی بے نظیر و بے مثال جس طرح ان کی ذات بے ہمت اسی ان کی ہر صفت یگانہ و یکتا "توحید" کے معنی یہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ان کی ذات اور ان کے صفات سب میں، واحد، یعنی یگانہ و یکتا اور بے نظیر و بے مثال سمجھا جائے جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات میں ان کا کوئی شریک اور ساجھی نہیں۔ اسی طرح ان کی کسی صفت میں ان کا کوئی شریک اور ساجھی نہیں۔ اس سے بدیہی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو معاذ اللہ معبود، یا، خدا، کہنا شرک ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت بھی کسی دوسرے کے لئے ثابت کرنا شرک اور گناہ عظیم ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ ہی پوری کائنات کے "رب" اور پروردگار ہیں۔ وہی سب کی حاجتیں پوری کرتے ہیں ان کے سوا کسی دوسرے کو خواہ وہ نبی ہو یا ولی یا فرشتہ یا کوئی اور "رب" اور حاجت روا سمجھنا شرک ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ عالم الغیب ہیں، اور ان کا علم ذاتی، ہر شئے کو محیط اور لا انتہا ہے۔ ان کے سوا کسی میں بھی یہ صفت نہیں پائی جا سکتی۔ ان کے سوا ہر ایک کا علم عطائی ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہی کا عطا کیا ہوا ہے، اس کے ساتھ محدود بھی ہے۔ ہر شئے کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو خواہ وہ کوئی نبی و رسول ہوں، یا ولی اللہ، یا کوئی فرشتہ یا اور کوئی عالم الغیب سمجھنا یا کسی کے علم کو ذاتی یا لا انتہا یا محیط سمجھنا شرک اور خیال باطل ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ شانہٗ قادر مطلق ہیں۔ ان کے سوا کسی دوسرے کو خواہ کوئی نبی و رسول ہوں یا فرشتہ یا ولی یا کوئی اور قادر مطلق یا کسی چیز پر اللہ تعالیٰ ہی کی طرح قدرت رکھنے والا یا غیر محدود قدرت و طاقت والا سمجھنا شرک اور سخت گمراہی ہے۔ یہ چند مثالیں ہیں ان کی روشنی میں اللہ تعالیٰ شانہٗ کے دوسرے صفات کے بارے میں صحیح اعتقاد معلوم کیا جا سکتا ہے اور گمراہی و شرک سے حفاظت ہو سکتی ہے۔ یہ باتیں قرآن مجید اور احادیث نبویہ سے اس طرح ثابت ہیں جس طرح نصف النہار کے وقت آفتاب روشن اور ظاہر ہوتا ہے۔ مگر اس مختصر رسالہ میں آیات و احادیث نقل کرنے کی گنجائش نہیں۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ مومن کی عقل و فہم سے شدید مناسبت رکھنے کی وجہ سے یہ باتیں بغیر دلیل بھی اس کے دل میں اتر جاتی ہیں۔ اور معمولی سمجھ رکھنے والا مسلمان انہیں سنتے ہی ان کی سچائی کا قائل ہو جاتا ہے۔

ممکن ہے کہ کسی کو شبہ ہو کہ بعض صفات تو اللہ تعالیٰ شانہٗ اور بندوں کے درمیان مشترک معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً علم بندے کو بھی ہوتا ہے۔ اسی طرح صفت رحمت کہ اللہ تعالیٰ بھی رحیم ہیں۔ اور بعض بندے بھی رحیم ہوتے ہیں مگر یہ شبہ غلط ہے۔ غور کرنے سے اس کی غلطی ظاہر ہو جاتی ہے۔ در حقیقت اللہ اور بندے کے درمیان کوئی صفت بھی مشترک نہیں۔ جو اشتراک بظاہر معلوم ہوتا ہے۔ وہ صرف لفظی اشتراک ہے، یعنی اتنی بات ہے کہ بعض صفات میں جو لفظ بندے کی صفت کے لئے استعمال ہوتا ہے، وہی اللہ تعالیٰ کی صفت کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت کے لحاظ سے دونوں میں کوئی مشابہت نہیں۔ بندے کی صفت کی حقیقت دوسری ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی صفت کی حقیقت دوسری مثلاً علم الٰہی کی حقیقت سے بندے کے علم کو کوئی مشابہت نہیں، صرف لفظ علم دونوں کے لئے بولا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم جیسا علم کسی کو نہیں ہو سکتا نہ کسی نبی و رسول کو نہ کسی فرشتے وغیرہ کو۔ اسی طرح رحمت الٰہی کی حقیقت بندے کی رحمت کی حقیقت سے بالکل جدا ہے۔ دونوں میں ادنیٰ مشابہت و مماثلت بھی نہیں پائی جاتی۔ صرف لفظی اشتراک ہے۔

اس قسم کے دوسرے صفات کو بھی انہیں پر قیاس کر لینا چاہیئے۔ بالقصد تشبیہ سمجھانے کے لئے ایک مثال پیش کرتا ہوں۔ قرآن مجید اور احادیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں انگور، انار وغیرہ پھل کھانے کے لئے ملیں گے۔ لیکن ان کے نام تو یہی ہوں گے جو دنیا میں ہیں مگر ان کی حقیقت دوسری ہوگی جو اس عالم دنیا میں انسان سمجھ بھی نہیں سکتا۔

اعتقاد اور عمل میں مطابقت

اسلام نے صرف عقیدۂ توحید ہی کی تعلیم نہیں دی بلکہ یہ تعلیم بھی دی ہے کہ مسلمان کے قول و عمل سے بھی اس کا عقیدۂ توحید ظاہر ہو۔ یعنی اس کی گفتار اور اس کا کردار عقیدہ توحید کا آئینہ دار ہو۔ اور اسے دیکھ کر دوسرا یہ سمجھے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ شانہ کا پرستار اور رب حقیقی کا وفادار ہے۔ اس کی زبان سے کوئی بات ایسی نہ نکلے کہ جس میں شرک کی بو ہو۔ اور اس کے کسی کام میں شرک کا ادنیٰ رنگ بھی نظر نہ آئے۔ یہاں تک کہ شریعت اسلامیہ نے ایسی چیزوں سے بھی منع کیا ہے جن سے شرک کا شبہ ہو۔ خواہ کرنے والے کا عقیدہ درست ہو اور اس کی نیت بھی بُری نہ ہو۔ مثلاً کسی کو سجدہ تعظیمی کرنا، یا کسی کی تعظیم کے لئے اتنا جھکنا کہ رکوع یا سجدے کی ہیئت پیدا ہو جائے۔ اس قسم کے کاموں میں خواہ کوئی مشرکانہ عقیدہ نہ ہو اور نیت بھی صرف تعظیم و احترام کی ہو پھر بھی شرعاً یہ کام ناجائز اور گناہ ہیں۔ اور ان سے احتراز کرنا واجب ہے۔ اس کی ایک مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص بیت اللہ کی جانب پاؤں کر کے لیٹے تو اسے منع کیا جائے گا اور اس کے کام کو کعبہ مکرمہ کی شان میں بے ادبی سمجھا جائے گا۔ خواہ اس کی نیت بے ادبی کی نہ ہو۔ اور اس کا عقیدہ بھی کعبہ شریف کے بارے میں وہی ہو جو سب مسلمانوں کا ہے۔ باوجود اس کے اس کام کو بے ادبی سمجھا جائے گا اور اس کا مرتکب گناہ گار ہوگا

بعض غلطیاں

اغیار کے اثر اور اپنے مذہب سے ناواقفیت کی وجہ سے بہت سے سنی ایسی غلطیوں میں مبتلا ہو گئے ہیں جو دین حق یعنی سنی مذہب کے بالکل خلاف اور شریعت اسلامیہ کے نزدیک بالکل باطل ہیں۔ عموماً یہ چیزیں شیعوں اور ہندوؤں سے اہل اسلام میں پہنچی ہیں۔ ان میں سے بعض باتیں بطور مثال درج ذیل ہیں

اگر غور و فکر سے کام لیا جائے تو انہیں کی دوسری غلطیاں بھی سمجھ میں آسکتی ہیں۔

آپ نے بعض سنیوں کو شیعوں کی طرح "یا علی مدد" کا نعرہ لگاتے سُنا ہوگا۔ بعض لوگ تو اٹھتے بیٹھتے "یا علی" کہتے ہیں۔ بعض کسی کو گرتے یا اچانک کسی خطرے میں پڑتے ہوئے دیکھتے ہیں تو فوراً "یا علی" کہتے ہیں۔ آپ نے بعض پہلوانوں کو اکھاڑے میں اترتے وقت یہی نعرہ لگاتے دیکھا ہوگا۔ اسی طرح دین سے ناواقف سنیوں کی ایک تعداد ہر مشکل اور اہم کام کے وقت اللہ تعالیٰ کو پکارنے کے بجائے حضرت علیؓ کو پکارتی ہے۔ دین سے معمولی واقفیت رکھنے والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ فعل مشرکانہ ہے جو شخص اس اعتقاد کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پکارتا ہے کہ وہ ہر ایک کی بات سُنتے اور اس کی مدد کرتے ہیں تو یہ کھلا ہوا شرک ہے۔ گویا یہ شخص انہیں اللہ تعالیٰ کی طرح حاضر و ناظر اور قادر مطلق سمجھتا ہے۔ العیاذ باللہ اور اس عقیدے کا باطل اور شرک ہونا روز روشن سے زیادہ روشن ہے۔ کیوں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی حاضر و ناظر یا قادر مطلق نہیں۔ اگر یہ عقیدہ نہیں رکھتا تو اس کی کیا وجہ ہے کہ انہیں پکارتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کیوں نہیں پکارتا؟ لیکن بالفرض یہ بھی مان لیا جائے کہ پکارنے والا یہ فاسد عقیدہ نہیں رکھتا، تو بھی یہ جملہ مشرکانہ ہی رہتا ہے اس صورت میں اگر اسے اعتقادی شرک نہ کہا جائے تو عملی شرک یقیناً کہا جائے گا اور اس قسم کے نعرے لگانے والا سخت گناہ گار ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

قل انما ادعوا ربی ولا اشرک بہ احداً۔ (الجن)

ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ میں صرف اپنے رب کو پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔

آیت مقدسہ نے بات بالکل روشن کر دی۔ اب بھی کوئی نہ مانے تو اس کا ذمہ دار وہ خود ہے۔ اس مسئلہ کو ایک دوسرے پہلو سے بھی دیکھ لیجئے۔ اس طرح اس کا سمجھنا اور آسان ہو جاتا ہے۔ موٹی سی بات ہے کہ مندرجہ بالا قسم کے نعرے اور ندائیہ جملے درحقیقت دعا کی شکلیں ہیں اور دعا عبادت کی بہت اہم صورت ہے بلکہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ "دعا عبادت کا مغز ہے"۔ دوسری حدیث شریف میں ہے کہ "دعا ہی عبادت ہے"۔ یعنی ہر عبادت کی حقیقت دعا ہے۔ اتنی بات معلوم ہونے کے بعد ہر مسلمان سمجھ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے دعا کرنا شرک اور حرام ہے۔

یہاں تک کہ نبی اکرم محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی دعا کرنا شرک اور گناہ عظیم ہے۔ کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ تعالیٰ کے بندے اور مخلوق ہیں۔ دعا صرف اللہ تعالیٰ سے کی جا سکتی ہے کیونکہ عبادت اللہ تعالیٰ ہی کی جا سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت جائز نہیں، اس لئے ان کے سوا کسی سے دعا مانگنا بھی جائز نہیں۔ اتنی وضاحت کے بعد دوبارہ اس تصریح کی حاجت نہیں کہ "یا علی مدد دے" کی قسم کے نعرے لگانا شرک اور حرام ہے۔

صحبت اغیار کے اثر سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ عقیدت میں بعض اہلِ سنت بھی مبتلائے غلو ہو گئے۔ آن محترم کے ساتھ عقیدت و محبت تو لازم ہے۔ مگر اس کی جو حد شریعت نے مقرر کی ہے، اس سے تجاوز کرنا گمراہی ہے۔ اس غلو اور گمراہی کا ایک نمونہ یہ ہے کہ بعض اہلِ سنت بھی شیعوں کی دیکھا دیکھی۔ آن محترم کو العیاذ باللہ "مولائے کائنات" کہتے ہیں۔ یہ کھلا ہوا شرک ہے۔ اس لقب میں "مولیٰ" بمعنی آقا اور حاکم ہے تو اس کا شرک ہونا معمولی فہم کا مسلمان بھی سمجھ سکتا ہے۔ ہر مسلمان جانتا ہے۔ کہ کائنات یعنی عالم کا حاکم اور آقا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں کسی دوسرے کو کائنات کا حاکم اور آقا کہنا کھلا ہوا شرک ہے اور اگر "مولیٰ" بمعنی "ناصر" یعنی امداد کرنے والے کے ہیں تو بھی اس کا شرک اور ضلال ہونا بالکل واضح ہے۔ کیونکہ پوری کائنات کے ناصر صرف اللہ تعالیٰ شانہٗ ہیں۔ ان کے سوا کوئی ناصر نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں "الناصر" بھی ہے۔ اس تفصیل سے ظاہر ہے کہ حضرت علیؓ یا کسی اور کو "مولائے کائنات" کہنا شرک اور گمراہی ہے اس گناہ عظیم سے سنیوں کو احتراز کرنا چاہیئے۔ مولائے کائنات، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں۔

بعض لوگ اس کی تاویل باطل یہ کرتے ہیں کہ یہاں مولیٰ بمعنی "اولیٰ" ہے۔ یہ تاویل نہایت رکیک اور لغو ہے۔ لیکن اگر اسے صحیح بھی تسلیم کر لیں تو بھی کوئی فائدہ نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ حضرت علیؓ معاذ اللہ افضل کائنات ہیں اور یہ بات بھی کھلی ہوئی گمراہی ہے۔ افضل کائنات تو ہمارے نبی کریم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ان کے سوا کسی کو افضل کائنات کہنا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں کھلی ہوئی بے ادبی اور گستاخی ہے۔ جو یقیناً حرام گناہ عظیم اور ضلال مبین ہے۔ انبیاء مرسلین اور ملائکہ مقربین میں کسی کا مرتبہ بھی ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر نہیں تو

بھلا حضرت علیؓ کے مرتبہ کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ عالی سے کیا نسبت؟ حضرت علیؓ تو اُمتی ہیں۔ ادنیٰ نبی کا مرتبہ بھی ان سے ہزار ہا درجہ بلند و برتر ہے۔ چہ جائیکہ سید الانبیاء کا مرتبہ حضرت علیؓ کے مرتبہ کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ عالیہ سے زیادہ سے زیادہ وہ نسبت دی جا سکتی، جو ذرہ بے مقدار کو آفتاب سے ہوتی ہے۔ اور یہ نسبت دیکر بھی خوف معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ فرق اس سے بھی زیادہ ہو۔ حضرت عثمانؓ ذو النورین کا مرتبہ حضرت علیؓ سے بلند و برتر ہے۔ فاروق اعظمؓ کا درجہ ان سے بھی اونچا اور صدیق اکبرؓ ان سے بھی افضل، مگر آفتاب رسالت کے مقابلہ میں یہ سب حضرات زیادہ سے زیادہ ذرے ہی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس مضمون کی قدرے تفصیل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ شیعہ حضرت علیؓ کے فضائل میں مبالغہ آرائی اور جھوٹ سے کام لے کر العیاذ باللہ انہیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر درجہ دینے کی کوشش کرتے ہیں ان کی وضع کردہ جھوٹی روایتوں اور ان کے بیانات سے بعض سنی بھی متاثر ہو جاتے ہیں۔ ہمارا مندرجہ بالا بیان پڑھنے کے بعد امید ہے کہ انشاء اللہ کوئی سنی اس گمراہی میں نہ پڑے گا۔

اسی قسم کی ایک اور خطرناک غلطی کا تذکرہ بھی سن لیجئے۔ دوسروں کے اثر سے بعض سنی بھی دین سے ناواقف ہوتے ہیں۔ حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ کو مشکل کشا کہتے ہیں۔ دین کی روشنی میں غور کیجئے تو اس میں بھی شرک کا رنگ جھلکتا ہوا نظر آئے گا۔ درحقیقت مشکل کشا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ (النمل)

ترجمہ:۔ بھلا وہ کون ہے جو بے قرار کی پکار سنتا ہے اور مشکل کشائی کرتا ہے۔ (یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ایسا نہیں)

آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مشکل کشائی فرما کر بے قرار کو ہم کنار کرنا اللہ تعالیٰ ہی کا وصف ہے۔ کسی دوسرے کو مشکل کشا سمجھنا شرک ہے۔ بعض لوگ اپنے اس غلط رویہ کی توجیہہ یہ کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے شریعت کے بعض مشکل مسائل کو حل کر دیا تھا۔ اور ان کی دعا سے بعض لوگوں کی مشکلیں آسان ہو گئیں۔ اس لئے ان کو مشکل کشا کہتے ہیں۔ یہ تاویل و توجیہہ بالکل غلط اور مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ کمزور ہے۔ ہم عرض کرتے ہیں کہ ایسے صحابہؓ تو بکثرت تھے جنہوں نے بعض مشکل مسائل کو حل کر دیا اور جن کی دعاؤں سے بہتوں کی مشکلیں آسان ہو گئیں۔ ان سب کو مشکل کشا کیوں نہیں کہتے؟ اس بارے میں کوئی

امتیاز حضرت علیؓ کو حاصل نہیں۔ بلکہ سب ہی صحابہؓ میں یہ وصف پایا جاتا تھا اور اس میں صحابہؓ کی بھی کوئی خصوصیت نہیں ہر زمانہ میں بکثرت ایسے افراد پائے جاتے ہیں جو شرع کے بعض مشکل اور پیچیدہ مسائل کو حل کر دیتے ہیں اور جن کی دعائیں مشکلوں کو حل کر دیتی ہیں۔ اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ ان سب کو مشکل کشا کہا جائے۔ کیا ان سب کو یہ لوگ یہ لقب دیتے ہیں؟ اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی یہ تاویل بالکل غلط اور نفس کا ایک بہانہ ہے۔ درحقیقت یہ آں محترم کو علی الاطلاق اور مافوق الفطرۃ مشکل کشا سمجھتے ہیں جو کھلا ہوا شرک اور گناہ عظیم ہے۔

کلمہ طیبہ میں جو اقرار توحید ہم نے کیا ہے اس کی خلاف ورزی کی چند مثالیں اوپر گزریں چند مثالیں اور ملاحظہ ہوں۔ یہ عموماً محرم میں نظر آتی ہیں اور سنی بھائیوں کی خاصی بڑی تعداد ان میں مبتلا ہے۔

جو سنی ذرا بھی دین سے واقف ہے جانتا ہے کہ تعزیہ رکھنا، علم رکھنا، پڑ لگانا، ماتم کرنا، مرثیہ خوانی اور نوحہ خوانی کرنا یا کسی صورت سے حادثہ کربلا کا غم منانا۔ مثلاً مستورات کا محرم میں چوڑیاں توڑ دینا، دس محرم کا فاقہ کرنا یا سیاہ لباس پہننا اور اس قسم کے سب مراسم محرم جو شیعوں کے اثر کی وجہ سے بعض سنیوں میں بھی رائج ہیں۔ مذہب اہل سنت میں حرام اور ناجائز ہیں اور ان کے کرنے والے سخت گناہ گار۔ سنی بھائیوں پر واجب ہے کہ ان سب کاموں کو چھوڑیں اور ان سے توبہ کریں۔ لیکن ان سب گناہ سے بدرجہا زائد بڑے گناہ وہ مشرکانہ اعمال ہیں جو بعض جاہل سنی محرم میں کرتے ہیں۔ اس رسالہ میں درحقیقت انہیں کا تذکرہ منظور ہے۔ اس قسم کے گناہوں کی برائی اس قدر واضح ہے کہ معمولی سمجھ کا آدمی بھی ذرا غور و فکر سے کام لے تو سمجھ سکتا ہے جو شخص کلمہ طیبہ کے معنی سے واقف ہے وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کے سوا کسی سے دعا کرنا شرک اور گناہ عظیم ہے کیونکہ دعا عبادت ہے اور کلمہ طیبہ میں ہم اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت جائز نہیں۔ اس کلمہ کی روشنی میں دیکھئے تو آپ پر روز روشن کی طرح روشن ہو جائے گا کہ تعزیہ، علم، دلدل وغیرہ سے دعا کرنا ان کی منتیں ماننا، ان پر چڑھاوے چڑھانا ان کے سامنے سجدہ کرنا، تعزیہ وغیرہ میں عرضیاں اور درخواستیں لٹکانا کھلا ہوا شرک اور گناہ عظیم ہے اسی طرح سیدنا حسینؓ یا سیدنا علیؓ یا اللہ تعالےٰ کے کسی اور بندے کا فقیر ملنگ، بننا ان سے یا ان کے نام کے تعزیے علم وغیرہ سے دعا مانگنا، ان چیزوں کا طواف کرنا بھی شرک اور گناہ عظیم ہے۔ ان محرمی اشیاء کے علاوہ بعض جاہل اہل سنت دوسرے اقسام کے شرک میں بھی مبتلا ہیں۔ مثلاً بزرگوں کے مزارات پر سجدہ کرنا، یا ان کے سامنے اتنا جھکنا کہ رکوع کی ہیئت پیدا ہو جائے، ان سے دعا مانگنا اور حاجتیں طلب کرنا، یہ سمجھنا کہ اللہ تعالےٰ نے انہیں اپنے کچھ اختیارات دیدیئے ہیں انہیں حاجت روا اور مشکل کشا سمجھنا یا یہ خیال کرنا کہ وہ عالم الغیب ہیں اور انہیں ہماری ہر بات کا علم ہے یہ اور اس قسم کے جملہ افعال و افکار باطلہ شرک میں داخل اور گناہ عظیم ہیں۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ شرک سب سے بڑا گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

انّ اللہ . . . . . لمن تشاء (النساء)

ترجمہ:- بے شک اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ کسی کو شریک کرنے کا گناہ نہ معاف فرمائیں گے اور سوا شرک کے جو دوسرے گناہ ہیں ان کے جس مرتکب کو بخشنا چاہتے ہیں، بخش دیتے ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ سوا شرک کے ہر گناہ بغیر توبہ بھی معاف ہو سکتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے بعض اوقات بغیر توبہ بھی بعض گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں۔ اگرچہ قانون یہی ہے کہ بغیر توبہ گناہ معاف نہیں ہوتا۔ لیکن شرک بغیر توبہ کبھی معاف نہیں فرماتے جو شخص شرک سے توبہ کئے بغیر مر جائے گا تو اسے اس کی سزا ضرور ملے گی اور اس کا عذاب بھی سب گناہوں کے عذاب سے زیادہ ہوگا۔

رسالت پر ایمان

اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہدایت کے لئے انسانوں کی ایک تعداد کو تاج نبوت سے سرفراز فرما کر نوع انسان کا مرتبہ ملائک سے بھی بلند کر دیا اور نوع انسان کا سب سے بڑا شرف یہ ہے کہ اشرف کائنات افضل عباد اللہ۔ سید المرسلین خاتم النبین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی انسان ہیں۔ اللہ تعالےٰ کے بھیجے ہوئے سب انبیاء و مرسلین پر ایمان لانا مسلمان کا فرض ہے۔ کسی نبی کی نبوت سے انکار یا اس میں شک کرنے یا ان کی شان میں بے ادبی سے آدمی اسلام سے خارج اور کافر ہو جاتا ہے۔ لیکن ہم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی و رسول اشرف الانبیاء والمرسلین سیدنا مولینا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں ہیں۔ اس لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی اطاعت و فرمانبرداری اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی لائی ہوئی شریعت مقدسہ کی پیروی ہم پر واجب ہے

لازم ہے ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار یقین دین اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے ۔ کلمہ طیبہ کا دوسرا حصہ اقرار رسالت ہے ۔ اسے پڑھکر ہم اقرار کرتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں ۔ ہم ہر نماز میں کلمہ شہادت پڑھ کر کئی بار اقرار توحید کے ساتھ اقرار رسالت بھی کرتے ہیں ۔ ہم کہتے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ، اللہ کے بندے اور ان کے رسول ہیں ۔ شہادت توحید کے ساتھ شہادت رسالت میں نکتہ یہ ہے کہ مسلمان اور مومن ہونے کے لئے صرف اقرار توحید کافی نہیں بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانا بھی ضروری ہے ۔ جب تک کوئی اقرار رسالت نہ کرے اس وقت تک کافر ہی رہے گا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن مقدس تھامے بغیر نجات نہیں ہو سکتی کسی عقیدے کو ایمان اسی صورت میں کہہ سکتے ہیں جب ذہن میں کوئی ایسی بات نہ رہے جو اس ایمان کے خلاف اور اس کی نفی کرتی ہو ۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ آنحضورؐ کی ہر بات کو سچا جانیں اور اس میں ذرہ برابر بھی شک و شبہ نہ کریں جب کسی بات کے متعلق یقین ہو جائے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے تو اس کی سچائی اور صحت میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی ۔ اس میں شک و شبہ کرنا یا اس کو غلط کہنا اس ایمان کے خلاف اور کفر ہے ۔ مثلاً قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام اور ان کی نازل کی ہوئی کتاب ہے ۔ جو شخص اسے کلام الٰہی نہ کہے یا اس میں شک کرے یا اس میں تحریف کا قائل ہو یا اس کی بات کی سچائی کا انکار کرے یا اس میں شک کرے کافر ہو جاتا ہے اور اس کا کفر دوہرا ہوتا ہے ۔ اول تو خود کلام الٰہی کے بارے میں خیال فاسد رکھنے کی وجہ سے دوسرے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی وجہ سے ۔ اس لئے قرآن کریم ہمارے نبی کریم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ پر نازل ہوا ۔ اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور تعالیٰ کا کلام ہے ۔

رسالت پر ایمان کے متعلق ایک ضروری بات اور بھی ہے جسے سمجھ لینا لازم ہے ۔ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ آنحضورؐ خاتم النبیین ہیں ۔ یعنی سلسلہ نبوت و رسالت آنحضور ارواحنا فداہ پر ختم ہو گیا ، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کی بعثت نہیں ہوئی اور نہ قیامت تک کسی کو نبی بنایا جائے گا ۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی و رسول ہیں ۔ ختم نبوت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب نبوتؐ رسالت کا ایک ایسا وصف لازم ہے جو اس سے جدا نہیں ہو سکتا اس معنے جو شخص ختم نبوت پر ایمان نہیں رکھتا وہ درحقیقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت پر ایمان نہیں رکھتا ۔ ایسا شخص یقیناً اسلام سے خارج اور کفر میں مبتلا ہے ۔ سہولت فہم کے لئے اس مثال سے کام لیجیے کہ ایک شخص سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کے عہدے کو تو تسلیم کرتا ہے مگر کہتا ہے کہ اس فیصلے کے خلاف سیشن جج کی عدالت میں اپیل ہو سکتی ہے ۔ کیا یہ شخص درحقیقت اس کے منصب کو تسلیم کرتا ہے ؟ ہر سمجھدار آدمی کا فیصلہ یہی ہوگا کہ اس کا دعویٰ غلط ہے ۔ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوتا ہے جس کے خلاف کسی عدالت میں اپیل نہیں ہو سکتی ۔ جو شخص اس کی خصوصیت کا انکار کرتا ہے ۔ وہ درحقیقت اسے سپریم کورٹ کا چیف جسٹس ہی نہیں مانتا ۔ اسی طرح جو شخص نبی اکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین نہیں سمجھتا اور اس بات کا قائل ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد العیاذ باللہ کسی دوسرے کو بھی نبی بنایا جا سکتا ہے تو وہ درحقیقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت ہی کا منکر اور ایمان بالرسالت سے محروم ہے ۔ ایسا شخص یقیناً اسلام سے خارج اور کافر ہے ۔ خواہ وہ ایمان و اسلام کا دعویدار ہو ۔

یہاں یہ بات سمجھ لینا چاہیے کہ کسی کو نبی بنانے کا مطلب یہ ہے کہ اس پر وحی نازل فرمائی جائے اور اسے صاحب وحی بنایا جائے اس کے پیش نظر ختم نبوت کے معنی یہ ہوں گے کہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہ کسی کو اللہ تعالیٰ نے صاحب وحی بنایا ہے اور نہ قیامت تک کسی کو یہ منصب عطا فرمایا جائے گا ۔ پھر جس طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہو سکتا اسی طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانے میں بھی کوئی نبی نہ تھا نہ ہو سکتا تھا ۔ دوسرے الفاظ میں کسی دوسرے پر وحی نہیں نازل فرمائی گئی نہ کسی کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی میں شریک فرمایا گیا ۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی میں کوئی دوسرا بھی حصہ دار تھا وہ ختم نبوت کا انکار کرتا ہے اور ایسا شخص یقیناً جھوٹا اور سخت گمراہ ہے ۔ اس اصول کی روشنی میں غور کر لے سے ہمارے برادران اہل سنت بعض ایسے قصوں کی غلطی کو بہت آسانی سے سمجھ سکتے ہیں جو شیعوں نے گھڑھ کر مشہور کر دیئے ہیں ۔ یہاں تک کہ بعض ناواقف سنی بھی دھوکہ کھا جاتے ہیں اور انہیں

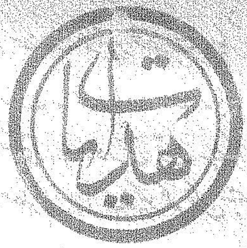
گھڑ لیے گئے ہیں۔ حالانکہ یہ قصے بالکل بے اصل اور جھوٹے ہیں مثلاً ایک بات یہ بیان کی جاتی ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں تشریف لے جاتے تھے تو حضرت علیؓ بھی آپ کے ساتھ ہوتے تھے۔ یہ بالکل جھوٹا اور من گھڑت قصہ ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں تنہا قیام فرمایا کرتے تھے۔ آپ کے ساتھ کوئی نہ ہوتا تھا یہ جعلی قصہ اس لیے گھڑا گیا ہے کہ حضرت علیؓ کو العیاذ باللہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی میں شریک کیا جائے اور ایسا سمجھنا کفر کی حد تک پہنچی ہوئی گمراہی ہے۔

اسی طرح کی ایک روایت ہے۔ انا مدینۃ العلم وعلی بابھا (میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اس کا دروازہ ہیں) یہ روایت بھی موضوع اور شیعوں کی گھڑی ہوئی ہے۔ مگر اس کا اس قدر پروپیگنڈا کیا گیا کہ بعض سنی علماء بھی دھوکہ کھا گئے اور وہ اسے اپنی تقریروں اور تحریروں میں نقل کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ بالکل غلط، بے اصل اور جعلی روایت ہے۱؎۔ آپ خود ہی ذرا غور کیجئے تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ روایت بالکل جعلی اور کسی منافق دشمن اسلام کی گھڑی ہوئی ہے۔ شہر میں داخلہ دروازہ سے ہوتا ہے گویا وہی شہر کے اندر پہنچنے کا ذریعہ اور راستہ ہوتا ہے۔ اگر علیؓ مدینۃ العلم کا دروازہ اور مدینۃ العلم خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ العیاذ باللہ سید العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو علم حضرت علیؓ کے ذریعہ سے حاصل ہوتا تھا۔ اور ان کے وسیلہ اور توسط سے پہنچتا تھا۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ کوئی مسلمان کافرانہ بات کا وسوسہ بھی دل میں نہیں لا سکتا۔ ہر مسلمان ایمان رکھتا ہے کہ علم کا سرچشمہ اور پوری امت کے اصل معلم صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنہیں براہ راست اللہ تعالیٰ کی جانب سے علم عطا فرمایا گیا تھا۔ حضرت علیؓ ہوں یا ان سے بھی افضل و برتر حضرات مثلاً حضرت فاروق اعظمؓ یا حضرت صدیق اکبرؓ جیسے جو علم حاصل ہوا وہ صرف نبی اکرم معلم اعظم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل ہوا۔ کسی کو براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم نہیں ملا۔ انہیں کوئی علم نہ تھا جو علم حاصل ہوا وہ صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی طفیل میں اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تعلیم و تربیت سے حاصل ہوا۔ پھر یہ کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں حضرت علیؓ یا اور کسی امتی کے علم کی حقیقت ہی کیا ہے؟ حضرت علیؓ کے علم کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم عظیم سے زیادہ سے زیادہ نسبت دے سکتے ہیں جو پانی کے ایک قطرے کو سمندر سے ہوتی ہے، جن حضرات کا علم حضرت علیؓ سے بھی زیادہ تھا۔ مثلاً حضرت عمرؓ و حضرت ابوبکرؓ ان کے علم کو بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ زیادہ سے زیادہ یہی قطرے اور سمندر کی نسبت دی جا سکتی ہے اور حق تو یہ ہے کہ یہ نسبت بیان کرتے ہوئے بھی خوف معلوم ہوتا ہے کیونکہ ممکن ہے کہ اس سے بھی زیادہ فرق ہو۔

اصولی طور پر یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ کوئی بڑے سے بڑا ولی اللہ خواہ وہ صحابی ہو یا غیر صحابی کسی نبی کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا اور نہ اس کا علم کسی نبی کے علم کے برابر ہو سکتا ہے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ نبی کا مرتبہ بھی بڑے سے بڑے ولی کے مرتبہ سے سینکڑوں درجہ بلند و برتر ہوتا ہے۔ علی ہذا نبی کا علم بھی اس کے علم سے بہت زیادہ ہوتا ہے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ کے نبی کا مرتبہ اور علم حضرت علیؓ بلکہ ان سے بھی بڑے درجے کے اصحاب سے بھی بہت اونچا اور بہت زیادہ ہے چہ جائیکہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ عظیمہ اور علم عظیم۔

مناسب ہے کہ اسی سلسلہ میں ایک اور ضروری بات کا تذکرہ کر دیا جائے۔ ہر مسلمان جانتا ہے کہ نبی اکرمؐ پر ایمان لانے کے معنی یہ ہیں کہ سب انبیاء پر ایمان لایا جائے کیونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم نے ان سب کو نبی فرمایا ہے۔ اس ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ مرتبہ نبوت کی جو خصوصیتیں ہیں اور جو سب انبیاء میں مشترک ہیں انہیں انبیاء ہی کے ساتھ مخصوص رکھا جائے اور کسی غیر نبی کے لیے نہ ثابت کیا جائے۔ جس طرح وحی انبیاء کی خصوصیت ہے اسی طرح معصوم ہونا بھی ان کی خصوصیت ہے۔ اہلسنت کا متفقہ عقیدہ ہے انسانوں میں انبیاء کے سوا کوئی معصوم نہیں ہوتا۔ یعنی عصمت نبوت کی مخصوص صفت لازمہ ہے۔ ہر نبی معصوم ہوتا ہے اور انسانوں میں نبی کے سوا کوئی معصوم نہیں ہوتا۔ اس اصول کو سمجھ لینے کے بعد سہولت کے ساتھ سمجھ میں آ جاتا ہے کہ بعض دین سے ناواقف سنی جو بارہ ائمہ معصومین کے قائل ہیں سخت غلطی میں مبتلا ہیں۔ بارہ امام کا عقیدہ خود باطل اور غلط ہے۔ پھر انہیں معصوم سمجھنا تو غلطی در غلطی اور گمراہی در گمراہی ہے۔ دین سے واقف سنی بھائیوں کو چاہیے کہ اپنے ان ناواقف سنیوں کو آگاہ کریں کہ یہ دونوں عقیدے شیعوں کے ہیں جو اہلسنت کے نزدیک بالکل باطل ہیں ان سے توبہ کرنا چاہیے۔ مسلمان بھائیو! کلمہ طیبہ دین اسلام کی بنیاد سعادت کا واحد دروازہ، جنت کی واحد کنجی اور جہنم سے پناہ دینے والا واحد حصار ہے۔ اسے سمجھ کر پڑھنا اور اپنی زندگی کو اسی تقاضے کے مطابق بنانا لازم ہے، مسلمان کا عقیدہ توحید بھی کامل ہونا چاہیے۔ اور عقیدۂ رسالت بھی۔ اس کے ساتھ کلمہ اسلام کی حفاظت بھی ہم پر فرض ہے۔

۱؎ علامہ ابن جوزی نے اسے موضوع کہا ہے۔



آئین شریعت کے نفاذ کا وقت آگیا

ووٹ ڈالنے کے طریقۂ کار کی وضاحت

از سید عطاء الرحمٰن جعفری بی اے (آنرز) سیکرٹری مرکزی پارلیمانی بورڈ

آنے والے انتخابات ملک و قوم کے لیے غیر معمولی اہمیت کے حامل ہوں گے لہٰذا ضروری ہے کہ عوام کو انتخابات کے معاملات، ان کے حقوق اور الیکشن کے طریقۂ کار سے آگاہ کیا جائے تاکہ وہ اپنا حق رائے دہی ملک و قوم کے بہترین مفاد میں استعمال کر سکیں۔

طریقۂ کار کی وضاحت

الف۔ آپ کو اپنے کیمپ سے ایک پرچی لینی ہوگی۔ جس پر فہرست رائے دہندگان میں آپ کا نمبر شمار، نام، ولدیت، پیشہ، عمر اور پتہ درج ہے۔ اس پرچی پر لکھا ہوگا۔ کارکنان کو چاہیے کہ اپنے ووٹران کو ایسی پرچیاں پہلے دے دیں تاکہ انتخاب کے دن نام تلاش کرنے میں وقت ضائع نہ ہو۔

ب۔ یہ پرچی لے کر آپ پولنگ سٹیشن کی طرف قدم بڑھائیں گے وہاں پہلے کمرہ میں آپ کو اپنی پرچی پولنگ افسر کو دکھلانا ہوگی اور وہ فہرست رائے دہندگان میں آپ کا نام دیکھ کر تصدیق کرے گا کہ آپ کا نام فہرست رائے دہندگان میں درج ہے۔ فہرست رائے دہندگان میں آپ کے نمبر شمار کو مارک کرے گا تاکہ آپ کے نام پر کوئی اور جعلی ووٹ نہ ڈالا جا سکے۔ پھر آپ کو بیلٹ پیپر دیا جائے گا۔

ج۔ بیلٹ پیپر دینے سے پہلے آپ کو کسی انگشت پر انمٹ سیاہی لگائی جائے گی جو کسی بھی کیمیکل مادہ سے مٹ نہیں سکتی۔ اس طرح آپ کو ایک آدمی ایک ووٹ کے ایک اصول کا پابند کیا جائے گا۔ کیونکہ ایسے ووٹر کو بیلٹ پیپر نہیں دیا جائے گا۔ جس کی کسی انگشت پر پہلے سیاہی لگی ہوگی۔

د۔ اگر مخالف امیدوار یا اس کا ایجنٹ اعتراض کرے کہ آپ کے پاس ایک سے زائد بیلٹ پیپر ہیں تو آپ کو اسے مطمئن کرنا ہوگا کہ آپ کے پاس ایک ہی بیلٹ پیپر ہے۔ کیونکہ کوئی رائے دہندہ ایک سے زائد بیلٹ پیپر رکھنے کا مجاز نہیں ہے۔

ر۔ بیلٹ پیپر لے کر آپ کو اس کمرہ میں جانا ہوگا جہاں آپ کو توقف کرنا اور سوچنا ہوگا کہ آپ نے اپنے ضمیر کے مطابق ووٹ دینا ہے۔ کافرانہ نظام کے لیے نہیں بلکہ اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے ووٹ دینا ہے یعنی آپ کے ووٹ کا صحیح حقدار پاکستان قومی اتحاد کا امیدوار ہے۔

س۔ اس کے بعد آپ کو اس کمرہ میں داخل ہونا ہے۔ جہاں آپ نے بیلٹ پیپر پر نشان لگانا ہے اس کمرہ میں بیٹھا ہوا پریذائیڈنگ افسر آپ کو مہر دے گا یہ مہر آپ نے ان کے بالکل سامنے خالی جگہ پر لگانی ہوگی۔

ش۔ آپ بیلٹ پیپر پر نشان لگانے کے بعد اسے تہ کریں گے اور اسے بیلٹ بکس یعنی صندوق میں ڈال دیں گے۔ جو پریذائیڈنگ افسر کے سامنے میز پر رکھا ہوگا۔

ص۔ اس بیلٹ بکس میں پرچی ڈالنے کے بعد کمرے سے باہر نکل جانا ہوگا۔ ایک دروازہ پولنگ سٹیشن کے اندر جانے کا ہوگا اور ایک باہر جانے کا۔

ض۔ مستورات کے پولنگ اسٹیشنوں پر مستورات پولنگ ایجنٹ تعین کرتی ہوں گی۔ کیونکہ مستورات کے ووٹ ۴۵ فیصد ہیں اور ہار جیت کا بڑا دارومدار مستورات کے ووٹنگ پر ہے۔

جامعہ اشرفیہ

ماسٹر لال دین صاحب افگر

کعبۂ علمِ شریعت دیدہ ام — اے خوشا گلہائے جنت چیدہ ام
زیرِ گردوں مرکزِ رُشد و ہُدیٰ — بارک اللہ زمزمِ صدق و صفا
ایں مقامے مہبطِ انوارِ حق — مرز و بوم مخزنِ اسرارِ حق
طالبانِ حکمتِ دینِ رسولؐ — آمدند۔ صد مرحبا۔ بہرِ حصول
نوجواناں پاک سیرت نرم خو — کودکاں غلطانِ جنت خوب رُو
بالیقیں پروانہ ہائے شمعِ دیں — ملتِ اسلام را شوکت ہمیں
آں گروہے وارثِ پیغمبراں — ہم شریعت ہم طریقت نکتہ داں
خدمتِ دیں ہمچوں اسلافِ کرام — عملِ ایشاں سنّتِ خیر الانامؐ
فکرِ شاں روشن زقرآنِ مبیں — سُخنِ ایشاں شارحِ دینِ متیں
ایں ہمہ خلف الرشیدِ راستاں — ترجمانِ اُسوۂ پیغمبراں
مولانا موسےٰ امیرِ طالباں — بر زبانش دینِ پیغمبرؐ رواں
خُلقش از خُلقِ نبوّت مستنیر — پیکرِ علم و عمل روشن ضمیر
در جوانی مرجعِ اخیار شدہ — مردِ حق شُد صاحبِ اسرار شد
افگرِ بے مایہ حمدِ کاملاں — کے سرد از ذکر و فکرِ ناقصاں
در حضورِ اولیاء بہرِ دعا — التجا کُن تا نیابی مُدّعا!
مکتبِ دینِ ہدیٰ تابندہ باد — منزلِ مقصودِ ما پائندہ باد

فون نمبر
۶۷۵۴۵

ہفت روزہ
خدام الدین لاہور

رجسٹرڈ ایل نمبر
۶۰۷۴

منظور شدہ ۱۔ لاہور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری ۱۶۳۳۱/۹ مورخہ ۳ مئی ۱۹۵۶ء ۲۔ پشاور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری C. B. T. ۲۳۶۔ ۲۴۸۱ مورخہ ۷ ستمبر ۱۹۵۶ء محکمہ تعلیم ۳۔ کوئٹہ ریجن بذریعہ چٹھی نمبری ۹/۲۹/۲۰۶۹۶-۹ DDA مورخہ ۲ اگست ۱۹۶۴ء (۴) راولپنڈی ریجن بذریعہ چٹھی نمبر G.۸۸/۳۰-۱۵۳۱۰ مورخہ ۴ مارچ ۱۹۶۷ء

بقیہ : اداریہ

لیکن ہمیں یہ کہنے میں باک نہیں کہ مدینہ کی اسلامی سٹیٹ کے پہلے سربراہ سے سچی عقیدت و محبت کا ثبوت دینے کے لیے یہ بات انتہائی ضروری ہے کہ اس امام عادل اور نبی برحق نے جن عظیم ترین اصولوں کے مطابق حکومت کی۔ اس کا نقشہ قائم کرنے کے لیے اپنی تمامتر توانائیاں خرچ کر دی جائیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو پھر ؏

"دھوکہ کی محبت سے عداوت بہتر"

کے مصداق عقیدت و محبت کا نام ہی نہ لینا چاہیے۔ وہ قانون حق و صداقت جس کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے چھوڑ گئے تھے، پر عمل نہ کرنا اپنے کو کافروں، ظالموں اور فاسقوں کی صف میں شمار کرنا ہے اسی قانون عدل و انصاف سے وابستگی کو آپ نے لازم قرار دیا۔ اور فرمایا کہ یہ وابستگی تمہیں ضلالت و گمراہی سے بچائے گی۔ اسی کے متعلق آپ نے فرمایا کہ :-

"خدا کا قانون قدرت اسی مجموعہ ہدایت اور کتاب قانون کے صدقہ بعض اقوام کو عزت و سربلندی نصیب فرماتا ہے اور بعض اقوام اس کو چھوڑ کر ذلت کی اتھاہ گہرائیوں میں غرق ہو جاتی ہیں"

آج دنیا بالعموم اور ہمارا ملک بالخصوص مسائل میں بری طرح گھرا ہوا ہے اور ؏ اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی کے مصداق کوئی مسئلہ اور معاملہ صحیح نہیں۔ ایسے میں رسمی محبت و عقیدت کے مظاہرے اور دعوے کسی کام نہیں آسکتے۔ اپنے نہاں خانہ دل کو ٹٹول کر عقیدت کی دولت کو مستحکم کرنا اور اعمال کی دنیا میں صالح انقلاب بپا کرنا ہی وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ ظالموں کے ہاتھ توڑ کر، انصاف و سچائی کا علم بلند کر کے اہل صدق و صفا سے اپنا ناطہ جوڑ کر تو ہم دنیا میں سرخروئی حاصل کر سکتے ہیں۔ مسائل و حالات کے اعتبار سے آج کا دور، دورِ جاہلیت کی یاد دلاتا ہے۔ ان جہالت کی تاریکیوں سے کیونکر چھٹکارا حاصل کیا جا سکتا ہے ؟ اس کا جواب محمد کریم علیہ السلام کے جانثار و رفیق اور پہلے جانشین کے الفاظ میں یہی ہے کہ :

"اس قوم و ملت کے آخری دور میں صلاح و فلاح کا دار و مدار اسی قانون حق و صداقت کو اپنانے میں مضمر ہے۔ جس کی بنیاد پر اولین دور میں صلاح و فلاح نے قدم چومے تھے"

دیکھنا یہ ہے کہ مکین گنبد خضرا کے نام لیوا اپنی ذمہ داریاں کہاں تک پوری کرتے ہیں ؟

علوی
۱۲ ربیع الاول

بقیہ : مجدد الف ثانی رح

کے میدان میں) جب تک عمل اچھے اور اللہ تعالےٰ کی رضا والے نہ ہوں گے۔ کوئی شفاعت نہ کرے گا۔ اور عمل اچھے تب شمار ہوں گے، جب ان اعمال کے بجالانے میں شریعت پر عمل کرنے والا ہوگا۔ انسانی کمزوری کی وجہ سے (عامل شریعت سے) اگر کوئی لغزش ہو گئی، تو اس کا تدارک شفاعت سے ممکن ہے۔

(از مکتوب ۔ ۳۱ ۔ دفتر سوم)

بقیہ : شاہ عبدالعزیز رح

کا بڑا گہرا اثر تھا۔
اسی سال کی عمر میں انہوں نے وفات پائی۔ وہ اپنے پیچھے مجاہدوں کی ایک جماعت چھوڑ گئے جو آزادی کے لیے مسلسل

مولانا عبید اللہ انور پبلشر نے ... پرنٹر ... شرکت ... لاہور سے شائع کیا